بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ مکمل اور آخری دین ہے جس نے اپنی آمد کے ساتھ ہی تمام ادیان باطلہ کو واضح دلائل کی بنیاد پر شکست دی جس وقت اسلام آیا اس وقت دنیا میں یہودیت ، نصرانیت، مجوسیت اور بدھ مت چار بڑے مذاہب تھے ان میں سے عرب میں یہود اور بتوں کے پیروکار کفار قریش کی اکثریت تھی ۔(کفار قریش دین ابراہیمی کے دعویدار تھے)ان مذاہب میں سے کفار کے پاس باقاعدہ کوئی دین نہ تھا صرف اسلاف کی روایات تھیں اسی طرح مجوسی زرتشت کے افکار پر کاربند تھے جبکہ یہود و نصاریٰ کے پاس توراۃ و انجیل کے نام پر تحریف شدہ دین موجود تھا (جو کبھی وحی پر مبنی رہا تھا)۔اسلام کا بیک وقت ان چاروں مذاہب سے ٹکراؤ ہوا اور جب دلائل کے میدان میں اسلام سرخرو ہوا تو ان مذاہب کے پیروکاروں نے اپنے ادیان کی مغلوبیت کا بدلہ مختلف انداز سے لیا۔مثلاً کفار قریش (عرب) نے اپنی عادات کے مطابق اعلان جنگ کیا اور تلوار اٹھا کر میدان میں آ گئے ۔چونکہ ان کی فطرت میں منافقت نہیں تھی چنانچہ دین حق سے شکست کھائی تو اسے کھلے دل سے تسلیم کیا اور پھر یہی دشمن اسلام کے سپاہی ونگہبان بن گئے ۔

جبکہ یہود ونصاریٰ نے اتحاد کر لیا اور نصاریٰ کی قلت کی وجہ سے وہ یہود کے تابع رہے گویا اسلام دشمنی میں یک مذہب بن گئے ۔انہوں نے اور مجوسیوں نے اسلام کی وسعت اور سربکف جانثاروں کی کثرت کی وجہ سے کفار عرب کی طرح مقابلہ کرنے کی بجائے بزدل قوموں کی طرح سازشوں کا عمل شروع کر دیا یہودیوں نے اپنی فطرت کے مطابق دین اسلام میں بھی تحریف کی راہ نکالنے کی کوشش کی اور اسرائیلیات کے جھوٹے قصے اسلامی تعلیمات کے ساتھ غلط ملط کئے ۔مجوس فارس نے اپنے دجل وفریب سے کام لے کر اپنے نظریات

موضوع وخود ساختہ روایات کے ذریعے اسلام میں داخل کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

یہود ومجوس کے گٹھ جوڑ اور دسیسہ کاریوں کے نتیجے میں واضح اور بیّن دین اسلام کے مساوی ایک نیا مذہب تصوف کے نام سے وجود میں آیا۔

تصوف کیا ہے؟ اس کی تاریخ، صحیح تعریف اور ماٰخذ کیا ہے؟ اس بارہ میں تو اہل تصوف کو بھی صحیح طرح کچھ معلوم نہیں ہے، مختلف تعریفات ہیں۔

ابوریحان البیرونی نے کتاب الہند میں لکھا ہے کہ تصوف اصل ''س'' سے تھا یعنی سوف جس کا معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں پھر استعمال کے بعد یہ ''ص'' سے صوف بنا۔ صوفی بمعنی حکیم ودانا۔(الغزالی 260)۔

نولڈکہ نے اس اشتقاق کو رد کیا ہے کہ یونانی زبان میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سوفوس اور صوفی کی درمیانی صورت کہا جا سکے۔(اردو معارف اسلامیہ جلد 7 صفحہ 418)۔

اسامی محققین صوفیاء نے تصوف کو صوف سے مشتق مانا ہے۔(اسلامی اخلاق اور تصوف ص 169)۔(اگر یہ اسلامی چیز ہوتی تو قرآن یا حدیث، صحابہ کرام، تابعین سے اس کی واضح تعریف منقول ہوتی۔ بقول علامہ اقبال: اس میں ذرا شک نہیں کہ تصوف کا وجود ہی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب وہوا میں پرورش پائی ہے ۔(سید سلمان ندوی کے نام خط 1917ء)

بعض اہل قلم نے تصوف کے بارے میں کچھ اسطرح اظہار خیال کیا ہے:

حقیقی تصوف یہودیت سے شروع ہوا ہے جب ان کے مذہبی پیشواؤں نے اسکندریہ میں یونانی فلسفہ کا مطالعہ کیا اور وہاں اس فلسفہ اور اپنے معتقدات کے امتزاج سے ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ فیلو اس مذھب کا امام ہے جبکہ تصوف کا ابو لآباء دراصل افلاطون کو کہا جاسکتا ہے جس نے سب سے پہلے یہ تصور پیش کیا تھا۔ کہ اس عالم محسوس کے اوپر ایک اور عالم مثال

ہے وہ عالم حقیقی ہے اور یہ عالم صرف اس کا پَرتو ہے۔ افلاطون کے اس فلسفہ کی نشاۃِ ثانیہ بعد کے فلاسفروں کے ہاتھوں ہوئی جن کا امام فلاطینس تھا ان میں سے ایک فلاسفر نے ہندوستان کا سفر کیا اور وہاں کے برہموں سے ہندی تصوف سیکھا۔ فلاطینس رومی لشکر کے ساتھ ایران گیا وہاں کے مغوں سے مجوسی تصوف کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد ان فلاسفروں نے فلاطینس کی زیر سرکردگی افلاطون کے فلسفہ قدیم کو ان ہندی اور ایرانی تصورات کے ساتھ ملا کر ایک جدید قالب میں ڈھالا۔ اس کا نام نو فلاطونی فلسفہ ہے اس فلسفہ کا مرکز اسکندریہ تھا جہاں فیلو کا یہودی تصوف اس سے متاثر ہوا۔ اس کا سب سے پہلا تأثر یہ پیدا ہوا کہ تورات کی شریعت معرفت اور حقیقت میں بدل گئی۔

یہودیوں کی ایک اہم کتاب زہار میں لکھا ہے:

تورات کی روح درحقیقت اس کے باطنی معنوں میں پوشیدہ ہے انسان ہر مقام پر خدا کا جلوہ دیکھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ تورات کے ان باطنی معانی کا راز پا جائے۔

قارئین محترم! یہی بات اسلامی تصوف کے دعویدار بھی کرتے ہیں۔ قدر آفاقی کی کتاب اسلامی اخلاق اور تصوف صفحہ 168 پر لکھا ہے: بخلاف اس کے تصوف میں اس مسئلہ کا علم مشاہدہ اور کشف کی حیثیت سے ہوتا ہے یعنی صوفی کو چاروں طرف خدا ہی نظر آتا ہے اس پر خشوع وخضوع ہیبت، خوف و ادب و انقیاد کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جو کسی طرح علم ظاہری سے پیدا نہیں ہوسکتی۔ وہی خدا کو دیکھنے اور باطنی علوم کی باتیں دونوں تعلیموں میں یکساں ہیں ان باطنی معانی کی تلاش کی تردید ومذمت میں علامہ اقبال نے اپنے خط میں لکھا ہے:

حقیقت یہ ہے کہ کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل وشعار میں باطنی معانی تلاش کرنا یا باطنی مفہوم پیدا کرنا اصل میں اس دستور العمل کو مسخ کر دینا ہے یہ ایک نہایت (subtel) طریق تنسیخ کا ہے اور یہ طریق وہی قومیں اختیار یا ایجاد کر سکتی ہیں جن کی فطرت گوسفندی ہو۔

شعرائے عجم میں بیشتر وہ شعراء ہیں جو اپنے فطری میلان کے باعث وجودی فلسفہ کی طرف مائل تھے اسلام سے پہلے بھی ایرانی (فارس کے مجوسی) قوم میں میلان طبیعت موجود تھا اگر چہ اسلام نے کچھ عرصہ تک اس کی نشوونما نہ ہونے دی تا ہم وقت پا کر ایران کا آبائی اور طبعی مزاق اچھی طرح سے ظاہر ہوا یا بالفاظ دیگر مسلمانوں میں ایک ایسے لٹریچر کی بنیاد پڑی جس کی بناء وحدۃ الوجود تھی ان شعراء نے نہایت عجیب وغریب اور بظاہر دلفریب طریقوں سے شعائر اسلام کی تردید تنسیخ کی (اقبال نامہ ج 1 صفحہ 35)۔

جس چیز کو علامہ اقبال نے نسخ قرار دیا اور جسے ہم نے ان صفحات کے شروع میں متوازی دین کہا ہے وہ کوئی ایسا مبالغہ آمیز بھی نہیں ہے۔

شریعت اور تصوف کا فرق:(1) تصوف میں شریعت نہیں (جس کو اللہ نے شرع لکم من الدین ماوصی بہ...... کہا ہے) بلکہ طریقت ہے شریعت اور طریقت کیا چیز ہے؟ کہتے ہیں دراصل اس کائنات میں ہر ایک چیز کی مانند بندگی کے بھی دو رخ ہیں، ایک ظاہر دوسرا باطن۔ظاہر میں بندگی نماز، روزہ، حج، زکوۃ کی ادائیگی سے پوری ہوجاتی ہے مگر باطن میں بندگی کا تعلق ان ارکان کی حقیقت سے ہے اس میں ایمان، محبت، خلو، خوف خدا، رضائے الٰہی، توکل، اور امیر غیب وشہود کی تعلیم وتربیت اور اس پر عمل سے واسطہ پڑتا ہے۔(اسلامی اخلاق اور تصوف صفحہ 184)۔

اب قرآن وحدیث میں اول الذکر کا حکم ہے ثانی الذکر متوازی دین ہے یا نہیں یہ ظاہر شریعت کی تنسیخ یا تردید نہیں ہے؟

(2) تصوف کا علم بھی اس طریقہ سے اخذ نہیں کیا جاتا جس طریقہ سے اسلامی شریعت کا علم حاصل ہوتا ہے اسلامی کی تعلیمات قرآن وحدیث میں موجود ہیں اور ان کے حصول کیلئے اللہ نے فرمایا ہے کہ ''فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون'' النحل: 43 ترجمہ''پس تم پوچھ

لیا کرو علم والے لوگوں سے اگر تم (کوئی مسئلہ یا بات) نہیں جانتے''۔

اور یہ بھی ارشاد ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو دین کا علم حاصل کرے اور پھر واپس آ کر اپنی قوم کو خبردار کرے۔ التوبۃ: 122 ۔جبکہ تصوف کا طریقہ حصول اس طرح ہے تصوف ایک مخصوص وسیع اور مشکل ترین علم ہے اس کی بنیاد تمام تر احساس و مشاہدہ پر ہے اور احساس و مشاہدہ کا تعلق عمل اور تجربہ سے ہے...... چنانچہ یہ علم، علم سفینہ نہیں علم سینہ کی تعریف میں آتا ہے یعنی بات سینہ بہ سینہ چلتی ہے اور انتہائی رازداری اور پوری احتیاط کے ساتھ حقائق پیر کے قلب سے مرید کے قلب کی جانب منتقل ہوتے ہیں چنانچہ اس میں استاد کامل یعنی پیر طریقت کی رہنمائی اور اس کی کامل اتباع نہایت ضروری ہے اور اس کے لئے برسوں کی کٹھن، صبر آزما مسلسل ریاضت، لگن اور یکسوئی درکار ہے۔ (ایضاً)۔

اس عبارت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تمام اصطلاحات فارسی ہیں خصوصاً پیر، اسی طرح پیر کی اتباع ضروری ہے جبکہ اسلام میں نبی اکرم ﷺ کی اتباع لازمی قرار دی گئی ہے ۔اس کا علم پیر کے قلب سے مرید کے قلب پر منتقل ہوتا ہے جبکہ دین اسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ سے باقاعدہ پڑھتے تھے اور آپ پڑھاتے لکھواتے تھے قرآن آپ ﷺ نے لکھوایا جبکہ تصوف علم سینہ ہے۔ قرآن کو اللہ نے آسان کیا ہے جبکہ تصوف کو مشکل بنادیا گیا ہے بقول اقبال ''یہ ایرانیوں کی کوشش ہے، اس کا ثبوت مندرجہ ذیل اصطلاحات تصوف سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

اہل مراتب کے اسماء گرامی:۔ سب نقیبوں کا نام ۔علی۔ ہوتا ہے اور نجیبوں کا ۔حسن اور سات اخیار کا نام ۔حسین ہوتا ہے اور عمائد چار ہیں ان کا نام محمد ہوتا ہے ایک غوث ہوتا ہے اس کا نام عبداللہ ہوتا ہے جب غوث فوت ہوجاتا ہے تو عمائدین میں سے کسی کو غوث کا مقام مل جاتا ہے اور جب عمائدین میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اسکی کرسی نجیب لے لیتا

ہے اور نجیب نوت ہوجانے پر کسی نقیب کو ترقی مل جاتی ہے ۔(ص 197)

اس ترتیب سے کس طرح شیعیت مترشح ہے قطب کے مراتب کیا ہیں ملاحظہ فرمائیں:

ظاہری نظام کی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک باطنی نظام بھی مقرر فرمایا ہے قرآن حکیم میں اس نظام کا سراغ موسیٰ اور خضر علیہ السلام کے واقعہ سے ملتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام وقت کے پیغمبر تھے لیکن وہ اللہ کی مشیت سے چلنے والے باطنی نظام سے حجاب میں تھے چنانچہ ان کی درخواست پر خضر علیہ السلام سے ان کیملاقات کا اہتمام کیا گیا کشف المحجوب میں اس نظام کے اجمالی خاکہ کا بیان آ چکا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

قطبوں کا بیان: اقطاب میں قطب مولا اور غوث بھی ہوتا ہے تمام قطبوں اور اولیاء سے افضل قطب حقیقی ہوتا ہے قطب مدار ایک شخص ہوتا ہے تمام زمانوں اور وقتوں میں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نظر کا موضع ہے اور اس کا مرتبہ اسرافیل علیہ السلام جیسا ہے قطب کبریٰ کا مرتبہ قطب الاقطاب کا ہوتا ہے اور وہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے باطن پر ہوتا ہے اور وہ خاتم ولایت ہوتا ہے جیسے حضور نبی کریم ﷺ خاتم النبوۃ تھے۔(کیسے نبوت کے مقابلہ پر ولایت رکھی گئی ہے تمام اصطلاحات غیر قرآنی ہیں)۔شیخ داؤد قدس سرہ نے لکھا ہے کہ قطب عالم ہر زمانے میں اور دور میں ایک ہی ہوتا ہے اور دنیا کی تمام علوی اور سفلی مخلوق قطب عالم کے وجود سے قائم ہوتی ہیں (جبکہ قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے تمام عالم کو تھام رکھا ہے) اور اس پر حق تعالیٰ کا فیض بے واسطہ ہوتا ہے اس کے دو وزیر ہوتے ہیں قطب عالم کا اصل نام چاہے کچھ بھی ہو وہ عبداللہ ہوجاتا ہے۔

قطب مدار کو تہہ زمین سے عرش تک تصرف حاصل ہوتا ہے جبکہ فرد کو تہہ زمین سے عرش تک تحقیق حاصل ہے۔(صفحہ 191-193)

تصوف کا شیعیت سے تعلق کتنا ہے اس کا اندازہ اس سے بھی لگائیں کہتے ہیں فرد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قلب پر ہوتے ہیں اور حضور ﷺ کے قلب پر علی رضی اللہ ہیں (صفحہ 194)

ابدالوں کا بیان: ابدالوں میں سے سات مخصوص ہیں یہ سفر میں رہتے ہیں فلک کے خیمہ کی رسیوں کے لئے ابدال اور ایک قطب ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ (صفحہ 195)

جس طرح ان تمام خرافات کے لئے کوئی بھی قرآنی آیت یا صحیح حدیث نہیں ہے اسی طرح ان کی دیگر اصطلاحات بھی دین اسلام سے کہیں ثابت نہیں ہیں مثلاً بقا وفنا۔ حال اور وقت۔ مقام وتمکین۔ انس وہیبت۔ مہر ولطف۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ نفی وثبات۔ مسامرہ وشہ۔ شریعت وحقیقت اور علم ومعرفت۔ ان تمام اصطلاحات کے خصوصی مفاہیم ہیں جو مختلف صوفیاء سے منقول ہیں قرآن وحدیث کا کوئی حوالہ نہیں ہے صرف مشائخ طریقت یا علی ہجویری یا داؤد وغیرہ کی بنائی ہوئی ہیں اسی طرح کشف المحجوب میں دیگر اصطلاحات بھی ہیں جو اسلام کی کسی اصطلاح سے مطابقت نہیں رکھتیں مثلاً الخاطر، الواقع، الاختیار، الامتحان، الابتلا، التخلی التجلی، اشرود، القصود، الاصطناع، الاصطفا، الاصطلام، العین، الشرب اور الذوق وغیرہ۔ ان سب کی تفصیل کے لئے ایک ضخیم کتاب درکار ہوگی جو کہ اس مختصر میں ناممکن ہے بے شمار خرافات ہیں جن سے کتب تصوف بھری پڑی ہیں اب ذرا تصوف کے شیخ اکبر کی چند باتیں اور پھر تصوف وصوفیاء کے چند کارناموں پر علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی تنقید آگے آئے گی ان شاء اللہ۔

تصوف میں ہسپانیہ کے مشہور صوفی محی الدین ابن عربی کو شیخ اکبر کہا جاتا ہے ان کی فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم تصوف کا عروۃ الوثقٰی کہلاتی ہیں (قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو حبل اللہ اور عروۃ الوثقٰی کہا ہے)۔

فصوص الحکم کے متعلق علامہ اقبال نے کہا تھا کہ "جہاں تک مجھے علم ہے فصوص الحکم میں سوائے الحاد وکفر کے کچھ بھی نہیں ہے۔ (اقبال نامہ ص 44)

فصوص الحکم کیا ہے: اس فصوص الحکم کے بارہ میں مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے لکھا ہے اب فصوص الحکم کی داستان بھی سن لیجئے فصوص، فص بمعنی نگینہ کی جمع ہے اور فصوص الحکم بمعنی دانائی کے نگینے یہ کل 27 فص یا نگینے ہیں ہر ایک فص کو قرآن کریم میں مذکور 27 انبیاء سے منسوب کیا گیا ہے ابن عربی کا دعوی ہے کہ ان فصوص کا علم مجھے مشاہدہ سے حاصل ہوا ہے میں نے اسے لوح محفوظ سے نقل کیا بعد میں 627ھ کے محرم میں حضرت محمد ﷺ کو دمشق کے شہر محروسہ میں دیکھا آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا یہ کتاب فصوص الحکم ہے اس کو محفوظ کرو اور لوگوں کے سامنے پیش کرو تاکہ انہیں فائدہ ہو چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق اسے لوگوں میں پھیلانے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ اور اس میں کمی وبیشی کرنا میرے لئے ممکن نہ رہا۔ (فصوص 47-58)

آپ بھی اس کتاب کے مندرجات سے مستفید ہونا پسند کریں گے اس کتاب میں ابن عربی نے قرآن کی تعلیمات کی تحریف کر کے اس کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا ہے اور وحدۃ الوجود کی عینک چڑھا کر ہر واقعہ پر تبصرہ فرماتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ قوم ھود بھی صراط مستقیم پر تھی۔ فرعون کامل ایمان تھا اور قوم نوح بھی۔ اللہ پاک نے قوم نوح اور فرعون کو ان کے نیک اعمال کا بدلہ دیتے ہوئے وحدۃ الوجود کے سمندر میں غرق کیا اور قوم ھود کو عشق الٰہی کی آگ میں داخل کیا تا کہ اسے عیش وآرام حاصل ہو حضرت ہارون علیہ السلام سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت سے منع کیا حالانکہ بچھڑا بھی خدا تھا یا خدا کا عکس حضرت نوح کی قوم نے بھی اچھا کردار ادا کیا کہ جو بت پرستی سے باز نہ آئے کیونکہ یہ تمام

بت خدائی کے مظاہر تھے جہنم عذاب کی جگہ نہیں بلکہ اس میں حلاوت و شیرینی موجود ہے۔(امام ابن تیمیہ از کوکن عمری)

ابن العربی اور علمائے حق: (کیلانی صاحب لکھتے ہیں) ہم یہ تو بتلا چکے ہیں کہ یہ عقائد وحدت و حصول دین طریقت یا تصوف کی جان ہیں تو جب سے تصوف اسلام میں داخل ہوا یہ عقائد بھی شامل ہوتے گئے پھر جسطرح حسین بن منصور نے کھل کر عقیدہ حصول کو پیش کرنے اور اپنے خدا ہونے کا دعوی کیا اور مقتول ہوا بعینہ یہی صورت شیخ اکبر کی تھی چونکہ عقیدہ وحدت الوجود قرآن کی تعلیم سے براہ راست متصادم تھا اس لئے علمائے دین مخالف ہوگئے چنانچہ جب یہ مصر پہنچے تو علمائے کرام نے انکے کفر کا فتوی دیا اور سلطان مصر نے ان کے قتل کا حکم دے دیا یہ بات ابن عربی کو بھی معلوم ہوگئی تو چپکے سے مصر سے راہ فرار اختیار کر کے دمشق پہنچ گئے (شریعت وطریقت ص 87)

اس ابن عربی جسے وقت کے علماء نے کافر قرار دیا اور اس کی کتاب کو قرآن سے متصادم قرار دیا ہے اس کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی کیا کہتے ہیں ملاحظہ فرمائیں چنانچہ دور متاخرین میں سے اشرف علی تھانوی نے ایک کتاب التنبیہ الطربی فی تنزیہ العربی لکھ کر یہی خدمت انجام دی (یعنی ابن العربی کا دفاع وتنزیہ) اشرف علی تھانوی اس کتاب کو فصوص الحکم کی شرح کے طور پر لکھنا چاہتے تھے لکھتے ہیں اس (شرح لکھنے کے زمانے میں) مجھ کو جو توحش وانقباض ان مضامین سے ہوتا تھا عمر بھر یاد رہے گا بعض مقامات پر قلب کو بے حد تکلیف ہوتی تھی چنانچہ کہیں کہیں اسکا ذکر کیا ہے اور یہ وجہ تھی اس شرح کو چھوڑ دینے کی مگر پھر بھی حضرت اشرف علی تھانوی نے ابن عربی کی تنزیہ و دفاع میں مستقل کتاب لکھ دی (تجدید تصوف ص 408)

فصوص الحکم کو بعض لوگ قرآن کی طرح سبقاً سبقاً پڑھتے تھے جیسے عفیف الدین

تلمسانی یہی تلمسانی کہتا ہے قرآن میں توحید کہاں ، وہ تو پورے کا پورا شرک سے بھرا ہوا ہے جو شخص اس کی اتباع کرے گا وہ کبھی توحید کے بلند مرتبے پر نہیں پہنچ سکتا ۔(امام ابن تیمیہ از کوکن عمری صفحہ 321) اعاذنا اللہ من ھذہ الھفوات ۔تلمسانی کی توحید کیا ہے یعنی وحدۃ الوجود اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں تلمسانی کے شاگرد شیخ کمال الدین نے ایک مرتبہ اعتراض کیا کہ اگر عالم کی تمام چیزیں ایک ہیں جیسا کہ تمہارا عقیدہ ہے تو پھر تمہارے نزدیک جورو، بیٹی ،اور ایک اجنبی عورت میں کیا فرق ہے؟تلمسانی نے جواب دیا ہمارے ہاں کوئی فرق نہیں چونکہ مجوبوں (اہل شریعت) نے انکو حرام قرار دیا ہے تو ہم بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ چیزیں تم پر حرام ہیں ورنہ ہم پر کوئی چیز حرام نہیں ۔(ابن تیمیہ از کوکن عمری صفحہ 321)

یہ ہے وحدۃ الوجود جس میں ماں بیٹی اور اجنبی عورت سب جائز ہیں اس عقیدہ کے بارہ میں دیوبند کے مشہور صوفی عالم امداد اللہ مہاجر مکی کہتے ہیں نکتہ شناسا مسئلہ وحدۃ الوجود حق وصحیح ہے اس مسئلہ میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے ۔فقیر ومشائخ فقیر اور جن لوگوں نے فقیر سے بیعت کی ہے سب کا اعتقاد یہی ہے (شمائم امدادیہ ص 32)

یہی عقیدہ احمد رضا خان بریلوی کا ہے سوال :حضرت منصور تبریز وسرمد نے ایسے الفاظ کہے جن سے خدائی ثابت ہے لیکن وہ ولی اللہ گنے جاتے ہیں اور فرعون شداد، ہامان ونمرود نے دعوی کیا تھا تو مخلد فی النار ہوئے اس کی کیا وجہ ہے ۔

جواب : ان کافروں نے خود کہا اور ملعون ہوئے اور انہوں نے خود نہ کہا اس نے کہا جسے کہنا شایان شان ہے اور آواز بھی انہی سے مسموع ہوئی جسے حضرت موسی علیہ السلام نے درخت سے سنا انی انا اللہ میں ہوں رب اللہ سارے جہاں کا کیا درخت نے کہا تھا حاشا بلکہ اللہ نے یونہی یہ حضرات اس وقت شجر موسی ہوتے ہیں (احکام شریعت ص 93)

یہ تو تھے تین حنفی المسلک علماء کے خیالات وحدۃ الشھود اور ابن العربی کے بارے

میں اب حنفی عالم شرح عقیدہ الطحاویہ کے مصنف علامہ ابن العز حنفی کی رائے ابن عربی اور اس کے متبعین وحمایتیوں سے متعلق ترجمہ: ان میں سے کچھ لکھتے ہیں کہ انبیاء اور رسل اللہ تعالیٰ کا علم خاتم الاولیاء کے طاق میں سے لیتے ہیں اور خود ہی خاتم الاولیاء کا دعوی کرتے ہیں ۔(ص 492)

جب ابن عربی نے دیکھا کہ شریعت میں تحریف ممکن نہیں ہے تو یہ کہا کہ نبوت تو ختم ہوگئی مگر ولایت جاری ہے اور اپنے لئے اس ولایت کا دعوی کیا جس کو نبوت سے بڑھ کر کہتے ہیں اور اس درجہ پر خود کو فائز کیا جس پر انبیاء و رسل بھی نہیں ۔ نبی اور رسل انکے مرتبہ سے مستفید ہوتے ہیں جیسا کہ ابن عربی کا شعر ہے۔

مقم النبوۃ فی برزخ ۔فویق الرسل ودون الولایۃ

نبوت کا مقام برزخ ہے یعنی رسولوں سے اوپر ولایت کے نیچے۔

یہ شریعت کو الٹنے کے مترادف ہے ابن عربی نے ولایت کا محل بھی قرار دیا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے نبوت کی عمارت میں خود کو ایک اینٹ قرار دیا اسی طرح ابن عربی نے خود کو ولایت کی عمارت کا آخری اینٹ قرار دیا صرف یہ فرق رکھا ہے کہ نبی ﷺ چاندی کے اینٹ میں (صرف ظاہر میں چمک) اور خود کو سونے کی اینٹ قرار دیا ہے (جسکا ظاہر و باطن دونوں بہتر) اس طرح خود کو محمد ﷺ سے بہتر قرار دیا اس سے بڑھ کر کون کافر ہوسکتا ہے ؟جس کے اقوال ایسے ہوں اسکا کفر موجود ہے (ص 493) ابن عربی کا کفر ان لوگوں کے کفر سے بڑھ کر ہے جنہوں نے کہا تھا کہ لن نؤمن حتی نوتی مثل ما ▯وتی رسل اللہ (انعام : 123) لیکن ابن عربی اور اس کے متبعین وامثال منافق زنادقہ اتحادیہ ہیں جو جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔(ص 494)

یہ تھا فتوی اس عالم کا جنکی لکھی ہوئی عقیدہ کی کتاب تمام احناف میں مسلم ہے مگر

احمد رضا خان اس کی حمایت کرتے ہیں اشرف علی تھانوی انکی تنزیہ وتوصیف میں کتابیں لکھتے ہیں اور امداد اللہ مہاجر مکی انکے نظریہ کو حق قرار دیتے ہیں تصوف میں حلول کا عقیدہ بھی مسلم ہے اس کے بارہ میں کیلانی صاحب فرماتے ہیں ۔خدا کے کسی انسان کے جسم میں حلول کر جانے کا عقیدہ یہود ونصاری میں بھی پایا جاتا تھا۔ وقالت الیہود عزیر ابن اللہ وقالت النصاری المسیح ابن اللہ..........

سینٹ پال (مشہور فلسفی صوفی) کا قول ہے ہم ذات باری تعالیٰ میں مسلسل تحلیل ہوتے رہتے ہیں جب ایک شے دوسرے میں مدغم ہوجائے تو دونوں کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا میں بھی خدا میں تحلیل ہورہا ہوں اور وہ ذات برحق مجھ سے ہم آہنگ ہورہی ہے اب مجھ میں اور خالق کائنات میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہا اب ہم دونوں ایک ہی ہیں اس قول سے حلول اور وحدۃ الوجود کس طرح مترشح ہورہا ہے سینٹ پال عیسائی کی طرح ایک صوفی عبدالکریم جیلی حلول کے متعلق اپنا ذاتی تجربہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے میں نے اپنا وجود کھودیا ہے پھر وہ (یعنی اللہ)میری طرف سے مجھ میں قائم مقام ہوا یہ عوض جلیل القدر تھا بلکہ بعینہ میں ہی تھا پس میں وہ تھا اور وہ میں تھا وجود منفرد تھا جس کے لئے کوئی جھگڑنے والا نہیں تھا میں اس کے ساتھ اس میں باقی رہا.......... میں نے اپنی چشم حقیقت سے اپنے آپ کو حق دیکھا (انسان کامل ص 108)ہندوستان میں بھی یہ نظریات قدیم سے پائے جاتے ہیں ہندوؤں میں ایسے انسان جو جس کے بدن میں خدا اتر آتا ہے اوتار کہتے ہیں رام چندر جی اور کرشن ان کے ایسے ہی اوتار ہیں جنہیں یہ لوگ خدائی صفات کے حامل قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں میں اس عقیدہ کی باز گشت ان الفاظ میں سنائی دیتی ہے۔

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر

اتر پڑا مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

اسی طرح دوسرا شعر ہے۔

اپنا اللہ میاں نے ہند میں نام
رکھ لیا خواجہ غریب نواز

اسلام میں اس عقیدہ کی داغ بیل عبداللہ بن سبا یہودی نے ڈالی تھی یہ شخص یمن کے شہر صنعاء کا رہنے والا تھا اور نہایت ذھین وفطین آدمی تھا قرون اولی میں یہودیوں کو جو ذلت نصیب ہوئی اسکا انتقام لینے کے لئے منافقانہ طور پر مسلمان ہوا مسلمانوں کے عقائد میں تفرقہ کے بیج بوکر تشتت و انتشار پیدا کرنا چاہتا تھا یہ شخص درویشی کا لبادہ اوڑھ کر زہد وتقوی کے روپ میں سامنے آیا..........اسلام کے جسم پر اس نے دو طرح کے وار کیے اور اپنی سازشوں میں کامیابی کے لئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بطور ہیرو منتخب کیا۔

1۔نو مسلم عجمی لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ رسول اللہ ﷺ سے قرابت داری کی بناپر خلافت کے اصل حقدار سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں اور پہلے تینوں خلیفوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حق غصب کیا............

2۔چونکہ خود درویشی کے روپ میں آیا تھا لہذا ظاہر و باطن کی تفریق کر کے اور شریعت و طریقت کے رموز بتلا کر ان نو مسلموں میں دین طریقت کے ملحدانہ اور کافرانہ نظریات داخل کیے اور بتلایا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خدا کی ذات کا مظہر ہیں اور خدا ان کے بدن میں حلول کر گیا ہے۔(ص67)

عبداللہ بن سباء کا یہ عقیدہ اس کے پیروکاروں نصیریہ کیسانیہ قرامطیہ اور باطنیہ سے ہوتا ہوا صوفیاء کے اندر داخل ہوگیا حسین بن منصور حلاج اس عقیدہ کے علم بردار اعلی تسلیم کیے جاتے ہیں......اس عقیدہ کو شہرت دوام حلاج سے ہی ہوئی اسکا دعوی تھا کہ خدا اس کے اپنے اندر حلول کر گیا ہے۔(ص 68)

ابن عربی نے حلاج کے متعلق فتوحات مکیہ میں ایک واقعہ لکھا ہے مشہور بزرگ شیخ ابوعمر عثمان مکی حلاج کے سامنے سے گزرے اور پوچھا کیا لکھ رہے ہو؟ حلاج نے جواب دیا قرآن کا جواب لکھ رہا ہوں۔ حسین بن منصور حلاج جو قرآن کا جواب لکھ رہے تھے انکی تعریف مولانا روم حضرت علی ہجویری خواجہ نظام الدین نے کی ہے مگر سلیمان ندویؒ نے رسالہ معارف جلد 2 شمارہ 4 میں حسین بن منصور حلاج پر شدید تنقید کی ہے اور ابن سعد قرطبی ابن موقل ابن ندیم ابن مسکویہ مسعودی ابن جوزی ابن اثیر اور امام الحرمین کی تواریخ سے ثابت کیا ہے کہ حلاج ایک گمراہ اور شعبدہ باز شخص تھا۔

تصوف میں چار خاندان نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور انکے ذیلی چودہ خانوادے ہیں جن میں رفاعیہ، شطاریہ، مولویہ، بندگیہ، کبرویہ، نوشاہیہ، شاذلیہ، جنیدیہ، قلندریہ زیادہ مشہور ہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں چاروں بڑے خاندانوں کا فیض جمع ہوگیا ہے ان کے احوال ومقامات طرز سلوک اور تربیت سالکین میں کچھ تفاوت اور اختلاف کارفرما ہیں ویسے منزل چونکہ سب کی ایک ہے راہ کی اکثر گھاٹیاں اور موڑ مشترک واقع ہوئے ہیں۔

اکثر سلاسل کا واسطہ علی رضی اللہ عنہ سے حسن بصری کے ذریعہ سے ہے (جبکہ محدثین نے حسن بصری اور علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات اور سماع کو غیر یقینی کہا ہے)۔

شجرہ خواجگان نمبر 1 چشتیہ: (1) حضورﷺ (2) حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ (3) حسن بصری رحمہ اللہ۔ یہ سلسلہ حضرت علی کے ذریعہ سے ہے۔

(2) نقشبندیہ: (1) حضرت محمدﷺ (2) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (3) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (4)۔ قاسم بن مجتبیٰ (5) امام جعفر صادق......

(3) قادریہ امامیہ: (1) محمدﷺ (2) امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ (3) امام حسن مجتبیٰ

(4) امام حسین رضی اللہ عنہ (5) زین العابدین (6) امام باقر......

(4) سہروردیہ (1) محمد ﷺ (2) امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ (3) حسن بصری تصوف سے متعلق یہ مختصر احوال ونظریات قارئین کی نظر کی ہیں ان کی شناعت سب پر عیاں ہے ان کا قرآن وسنت تعامل صحابہ رضی اللہ عنہ وتابعین ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سے تعارض بھی مخفی نہیں ہے کشف والہام اور علم باطنی وعلم سینہ کے ذریعہ ختم نبوت کے عقیدہ کو تار تار کرلیا گیا ہے صحیح اسلام کے مقابل روافض کا خودساختہ یا یہود سے اخذ کردہ متوازی دین تصوف کے نام سے رائج کرلیا گیا یہ تو اسلام کے دشمنوں کی سازش تھی جسے علامہ اقبال نے غیر اسلامی پودا کہا مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ دین حق کی تبلیغ کے دعوے دار۔عقیدہ ختم نبوت کے علمبرداروں اس کے خلاف کچھ کرنے کی بجائے خود اس بیماری میں مبتلا ہوگئے سوائے چند ایک کے اکثریت نے اسے اسلامی ثابت کرنے اور خود کو ان سلاسل میں پرونے کی کوشش کی۔

قدرآ فاقی نے تصوف کی مخالفت سے متعلق اہل سنت کا رویہ ذکر کیا ہے لکھتے ہیں:

اہل سنت والجماعت نے صوفیاء کے خلاف اپنا طرز عمل کافی آہستگی سے ظاہر کیا نیز وہ کبھی ان کو مطعون کرنے میں متفق رائے نہیں ہوئے۔سنیوں کے صرف دوگروہوں نے تصوف پر تنقید کی۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تصوف پر یہ تنقید کی کہ وہ ظاہر عبادات کے مقابلہ میں مراقبہ پر زور دیتا ہے اور روح کیلئے ذات خداوندی سے براہ راست تقرب کی راہ نکالتا ہے اور بعد ازاں ایک مسلمان کو شرطی فرائض کی پابندی سے آزاد کردیتا ہے چنانچہ آپ رحمہ اللہ کے شاگرد خاص خشیش رحمہ اللہ اور ابو زرعہ رحمہ اللہ نے تصوف کو زنادقہ کے کفرو الحاد کی ایک شاخ = الروحانیہ= میں شامل کیا ہے۔

ان کے علاوہ دوسرا گروہ معتزلہ اور ظاہریوں پر مشتمل تھا۔یہ عشق کے ذریعے خالق

مخلوق کے تقرب کولایعنی سمجھتا ہے کیونکہ یہ عقیدہ نظریاتی طور پر تشبیہ اور عمل ہر لحاظ سے ملامست کے حلول کے مترادف ہے۔اسی طرح ابن الجوزی رحمہ اللہ، ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی تصوف پر تنقید کی ہے(173)

ابن الجوزی رحمہ اللہ کی تنقید دیگر تمام ائمہ کی بلسبت زیادہ مفصل اور عام فہم ہے ۔قدرآ فاقی لکھتے ہیں:

ابن الجوزی رحمہ اللہ سے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی تصوف کوہدف تنقید بنایا لیکن ان کی تنقید فلسفہ تصوف اور تصوف کی فکری ونظری اساسوں پر تھی۔ ان کے مقابلہ میں ابن الجوزی رحمہ اللہ نے تصوف کا یاک معاشرتی ادارے اور ایک مخصوص طرز زندگی کی حیثیت سے جائزہ لیا ابن تیمیہ کا رول ایک فلسفہ اور مفکر کا ساتھا اور ابن الجوزی کا ایک معاشرتی مصلح کا سا(ص 226)۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ نے صوفیا کے اقوال ، اعمال اور اصطلاحات کا موازنہ قرآن ، حدیث ، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل وزندگی سے کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے ان کے تمام اقوال واعمال نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے اسوہ حسنہ کے خلاف ہیں اس کی وجہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے یہ بیان کی ہے کہ صوفیاء کے عدم توازن کا اصل سبب علم دین سے ان کی غفلت ہے فرماتے ہیں: ترجمہ ابلیس نے صوفیاء پر اس طرح جادو چلایا کہ علم سے انہیں روک دیا اور انہیں باور کرایا کہ مقصود اصلی تو عمل ہے پھر جب علم کا چراغ بجھ گیا تو وہ اندھیرے میں خبط مارنے لگے۔(252)

صوفیاء کی ایک جماعت نے تو اس سلسلہ میں اس حد تک غلو کیا کہ علم شریعت اور طریقت وتصوف کو جدا جدا بلکہ متضاد قرار دیا یہاں تک کہ اپنی کتابیں جو علم کا خزانہ تھیں ، دفن کردیں یا دریا برد کردیں یا جلا ڈالیں۔کیونکہ ان کے نزدیک جب مقصود اصلی عمل ہے

تو تو علم بیکار ہے بلکہ حقیقت پرستوں کے لئے باعث ننگ و عار ہے۔(ص 56-457)

اس علم دشمنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ تصوف اسلام کے مفہوم کی حقیقی تعبیر بننے کے بجائے ایک متوازی نظام زندگی بن گیا۔ابن الجوزی رحمہ اللہ اصطلاحات کی بابت کہتے ہیں۔

زُھد: اسلام میں حُب دنیا سے پرہیز کی تلقین تو کی گئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مال و دولت سے مکمل اجتناب برتا جائے لیکن صوفیاء کے ہاں زہد یہی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں خواہ مال حلال طریقہ سے کمایا اور نیک راہ میں خرچ کرے فقراء کیساتھ جنت میں نہ جا سکے گا (ص 272)صوفیاء کے خیال میں مال نیک مقاصد کے لئے جمع کرنا بھی توکل کے خلاف اور اللہ کے ساتھ سوءظن ہے۔ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس نظریئے کی وجہ سے مال سے دستبردار ہو گئے انہیں پھر صدقات پر بھروسہ کرنا پڑا اب تو صوفیاء کمانے کی طاقت کے باوجود مسجدوں اور خانقاہوں میں بیٹھ جاتے ہیں اور لوگوں کی خیرات پر بھروسہ کرتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں کہ کوئی مالدار صدقہ لے کر آئے اور دستک دے۔یہ لوگ رسم زہد کی جان کاریوں کا بری طرح شکار رہیں۔تصوف کی رسم بھی نبھانی ہے اور مال بھی جمع کرنا ہے یہ ان عطیات سے دولت اکٹھی کرتے ہیں مثلاً ابو الحسن منتظم رباط ابن اللحیان کے بسطانی تھے اور زندگی بھر صوف پوش رہے مرتے تو چار ہزار دینار ترکہ چھوڑا۔صوفیاء کی یہ روش سراسر خلاف اسلام ہے اللہ نے خود مال کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔لاتؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاماً۔(ترجمہ) اپنے مال بیوقوفوں کے سپرد نہ کرو مال کو اللہ نے تمہارے لئے قوت (کا موجب) بنایا ہے۔

لباس کے معاملہ میں بھی صوفیاء کا مسلک اسی قسم کا ہے اسلاف تنگدستی کی بناء پر پیوند لگے ہوئے معمولی اور بعض اوقات ایک جوڑا ہونے کی وجہ سے میلے کپڑے پہنتے ہیں لیکن صوفیاء مختلف رنگوں کے کپڑے لیتے ہیں اور ان کے ٹکڑوں کو جوڑ کر لباس بنا لیتے ہیں تاکہ

پیوند لگا معلوم ہو۔(تلبیس ابلیس ص 286)

ایسے بھی صوفیاء ہیں جو صوف (اون) کا لباس پہنتے ہیں تو جبے کی آستینیں ظاہر کر دیتے ہیں یا اندر تو نرم لباس پہنتے ہیں اور اس کے اوپر دکھانے کے لئے صوف کا جبہ ڈالدیتے ہیں (ایضاً)

اس کو اسلام نے لباس شہرت کہا ہے جس سے ریا کاری جھلکتی ہے۔

کھانے کے معاملے میں بھی زہد کے مخصوص مفہوم نے صوفیاء کو مضحکہ خیز حد تک سخت اور انتہاپسند بنالیا ہے مثلاً کئی کئی دن تک نہ کھانا جب کھانا تو بہت کم مقدار میں کھانا، تصوف کا لازمہ سمجھا جاتا ہے۔سہل بن عبداللہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کچھ مدت تک بیری کے پتے کھاتے رہے پھر کچھ عرصہ بھوسے سے گزارا کیا (ص 312)۔

علی روباری کا قول ہے کہ اگر صوفی پانچ روز کے بعد کہے کہ میں بھوکا ہوں تو اسے کہو کہ بازار میں رہے کوئی دھندا کرے وہ تصوف کے لائق نہیں۔حالانکہ یہ سب چیزیں کسی طرح بھی شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے خود شہد، مکھن ملا کر کھایا، ککڑی چھوہارے ملا کر کھانا پسند کرتے تھے (ص 314)۔

توکل: صوفیاء نے توکل کو جو مفہوم عطا کیا ہے اس میں بھی ان کی روایتی انتہاپسندی پوری طرح کارفرما ہے ابوسلیمان دارانی کا قول ہے اگر ہم اللہ پر توکل کرتے تو کبھی دیواریں تعمیر نہ کرتے، چور کے ڈر سے دروازے بند نہ کرتے۔

ذوالنون مصری کہتا ہے میں نے برسوں سفر کیا لیکن ایک موقعہ کے علاوہ میرا توکل کبھی درست نہیں رہا اس موقعہ پر ہوا ہوں کہ کشتی دریا کے درمیان ٹوٹ گئی۔پہلے میں نے ایک تختے کا سہارا لیا لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اگر اللہ نے میرے ڈوب جانے کا حکم دیا ہے تو یہ تختہ مجھے کوئی فائدہ نہ دے گا میں نے تختہ چھوڑ دیا اور تیر کر کنارے آ گیا (ص 400)۔

اسی طرح عبداللہ بن سالم کے خیال میں کھانا توکل کے خلاف ہے (ص 405)۔
بعض صوفیاء علاج کو بھی خلاف توکل سمجھتے ہیں ۔(ایضاً)

حالانکہ اسلام میں توکل کا معنی ہرگز یہ نہیں ہے بلکہ اعتماد القلب علی اللہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا اعقد فتوکل (اس اونٹنی کا گھٹنا باندھ پھر اللہ پر توکل کر)۔ اور اللہ کا ارشاد ہے واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ (اور اپنے اور اللہ کے دشمنوں کے خلاف اپنی طاقت کے مطابق تیاری کر کے رکھو)۔

صوفیاء کے ہاں توکل سے متعلق جو عجیب وغریب واقعات ملتے ہیں ان پر ابن الجوزی رحمہ اللہ تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بغیر توشہ لئے سفر پر جانا یا بدبودار مرا ہوئے جانور کے پاس جا کر لیٹنا جیسے عبداللہ بن خفیف سے منقول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو فرماتے ہیں کہ جذام زدہ آدمی سے بھاگو۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سفر پر روانہ ہوئے تو زاد راہ ساتھ لیا تو پھر صوفیاء کا توکل کیسا؟

ابن الجوزی رحمہ اللہ نے بعض صوفیاء پر بھی تنقید کی ہے مثلاً ابو زید کا قول ہے میں چاہتا ہوں کہ قیامت جلد قائم ہو اور میں اپنا خیمہ جہنم پر نصب کروں تاکہ اس سے ثابت ہو جائے کہ خدا کا فضل صرف دوستوں پر نہیں دوزخ پر بھی ہوتا ہے اسیطرح کچھ صوفیاء بعض لوگوں کو اجرت پر مقرر کرتے تھے تاکہ انہیں (صوفیاء کو) گالیاں دیں تاکہ ان کا نفس حلم وبردباری سیکھے۔

حسن بن علی دامغانی سے ایک شخص نے کہا کہ میں روزانہ روزہ رکھتا ہوں اور رات کو نماز پڑھتا ہوں مگر آپ کی باتیں میرے دل میں نہیں آتیں تو حسن بن علی نے کہا تیرا نفس ابھی حجاب میں ہے جا کر حجام سے سر اور داڑھی منڈواھ لے اور ایک بوری اخروٹ کی لیکر بازار میں جا اور اعلان کر دے کہ جو مجھے ایک تھپڑ مارے گا میں اسے ایک اخروٹ دوں گا۔

اسی طرح کے بے شمار خلاف قرآن، خلاف سنت، خلاف عقل باتیں ہیں جن پر ابن الجوزی رحمہ اللہ نے تلبیس ابلیس میں تنقید کی ہے اسی طرح امام ابن تیمیہ امام ابن تیمیہ کی صوفیاء پر تنقید نے بھی اپنی کتاب اصحاب صفہ اور تصوف کی حقیقت (جو کہ دراصل انکا ایک فتوی ہے جس کا اردو ترجمہ اس نام سے شائع ہوا ہے) میں صوفیاء کی اصطلاحات پر تنقید کی ہے فرماتے ہیں (ترجمہ: سیٹیوں، تالیوں اور قصائد سننے کیلئے جمع ہونا (جسے حال کہا جاتا ہے) یہ فعل نہ صحابہ رضی اللہ عنہ نہ اصحاب صفہ نہ سلف کی کسی جماعت نہ تابعین بلکہ قرون اولی میں کسی نے نہیں کیا اس وقت صرف قرآن کا سماع ہوتا تھا (ص 41)۔

القاب: رہے وہ القاب و اسماء جو اکثر ناسک عوام کی زبانوں پر جاری ہیں مثلاً غوث، اوتار، قطب، نجباء، تو یہ اسماء نہ کتاب اللہ میں وارد ہیں نہ نبی ﷺ سے منقول ہیں البتہ ابدال سے متعلق منقطع الاسناد روایت ہے۔(ص 59)

اور یہ اعتقاد روافض کے اعتقاد کی ایک قسم ہے کہ ہر زمانہ میں ایک امام معصوم کا ہونا ضروری ہے جو تمام مکلفین پر حجت ہو...... جو لوگ اولیاء کے مراتب قائم کرتے ہیں وہ روافض کی ایک قسم ہیں (ص 65)۔

ابدال: اس سے متعلق جو مرفوع حدیثیں آتی ہیں اغلب یہ ہے کہ یہ کلام نبوی ﷺ سے نہیں ہے کیونکہ حجاز و یمن میں ایمان اس وقت سے تھا جب شام و عراق فتح بھی نہیں ہوئے تھے اور سراسر کفر و شرک تھے (ص 67)۔

خاتم الاولیاء: اسی طرح خاتم الاولیاء بھی ایک بے معنی اور باطل لفظ ہے سب سے پہلے یہ لفظ محمد بن علی الحکیم الترمذی نے استعمال کیا اس کے بعد ایک خاص گروہ نے اسے لقب کے طور پر اختیار کیا اور اس گروہ کا ہر فرد خاتم الاولیاء ہونے کا دعوی کرتا ہے مثلاً ابن حمویہ اور ابن العربی وغیرہ یہی نہیں بلکہ ساتھ ساتھ یہ دعوی بھی کیا جاتا ہے کہ (معاذ اللہ) بعض اعتبارات

سے ہم رسول اللہ ﷺ سے بھی افضل ہیں اور یہ تمام کفر یہ دعوی محض اس لالچ میں کہ خاتم الانبیاء کی مسند ریاست مل جائے حالانکہ یہ لوگ سخت غلطی اور گمراہی پر ہیں......(ص 72-73)۔

قلندری: رہے یہ داڑھی منڈھے قلندری تو یہ جاہل وگمراہ ہیں ضلالت وجہالت کے مجسمے ہیں ان میں سے اکثر اللہ اور رسول سے کافر ہیں نماز روزہ کو واجب نہیں جانتے جو کچھ اللہ اور رسول نے حرام کیا ہے اسے حرام نہیں سمجھتے (ص 73)۔

آخر میں سید ابو الاعلی مودودی کی کتاب قرآن سے تقابل سے اقتباس ملاحظہ فرمائیں تا کہ اندازہ ہو سکے کہ ہندوستان میں انگریز کے خلاف شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور سید احمد شہید رحمہ اللہ کی تحریک جہاد کیوں ناکام ہوئی؟ ہم پر انگریز کیوں مسلط ہوا اور آج تک انکی تعلیمات وتمدن سے نجات نہ مل سکی۔

یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات پر پوری نصف صدی بھی نہ گزری تھی کہ ہندوستان میں ایک تحریک اٹھ کھڑی ہوئی جس کا نصب العین وہی تھا جو شاہ اسماعیل صاحب نگاہوں کے سامنے روشن کر گئے تھے..........۔

اسباب ناکامی: انکی آخری مجددانہ تحریک کی ناکامی کے اسباب پر بحث کرنا عموماً ان حضرات کے مذاق کے خلاف ہے جو بزرگوں کا ذکر عقیدت ہی کے ساتھ کرنا پسند کرتے ہیں اسلئے مجھے اندیشہ ہے کہ جو کچھ میں اس عنوان کے تحت عرض کروں گا وہ میرے بہت سے بھائیوں کے لئے تکلیف کا سبب بنے گا اگر ہمارا مقصد اس تمام ذکر واذکار سے محض سابقین بالایمان کو خراج تحسین ہی پیش کرنا نہیں ہے بلکہ آئندہ تجدید دین کے لئے انکے کام سے سبق حاصل کرنا ہے تو ہمارے لئے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ تاریخ پر تنقیدی نگاہ ڈالیں اور ان بزرگوں کا سراغ لگانے کے ساتھ ان اسباب کا کھوج بھی لگائیں جن کی وجہ سے یہ اپنے

مقصد کو پہنچنے میں ناکام ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب اور انکے صاحب زادوں نے علماء حق اور صالحین کی عظیم القدر جماعت پیدا کی اور پھر سید صاحب اور شاہ شہید رحمہ اللہ نے صلحاء و اتقیاء کا جو لشکر فراہم کیا ہے اسکے حالات پڑھ کر ہم دنگ رہ جاتے ہیں ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرون اولی کے صحابہ اور تابعین کی سیرت پڑھ رہے ہیں اور یہ خیال کر کے ہمیں حیرت ہوتی ہے ہم سے اس قدر قریب زمانہ میں اس پایہ کے لوگ گزرے ہوئے ہیں مگر ساتھ ہی ہمارے دل میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے اتنی زبردست انقلابی و اصلاحی تحریک جس کے لیڈر متقی اور صالح اور ایسے سرگرم مجاہد تھے انتہائی ممکن سعی عمل کے باوجود ہندوستان پر اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوئے اور اسکے برعکس کئی ہزار میل سے آئے ہوئے انگریز یہاں خالص جاہل حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

اس سوال کو عقیدت مندی کے جوش میں لاجواب چھوڑ دینے کے معنی ہیں لوگ صلاح وتقوی اور جہاد کو اس دنیا کی اصلاح کے معاملہ میں ضعیف الاثر سمجھنے لگیں اور یہ خیال کر کے مایوس ہوجائیں جب ایسے زبردست متقیانہ جہاد سے کچھ نہ بنا تو آئندہ کیا بنے گا اس قسم کے شبہات فی الواقع لوگوں کی زبان سے سن ہوچکے ہیں بلکہ حال ہی میں جب مجھے علی گڑھ جانے کا اتفاق ہوا تو اسٹریچی ہال کے بھرے جلسے میں میرے سامنے یہی شبہہ پیش کیا گیا تھا اور اسے رفع کرنے کے لئے مجھے ایک مختصر سی تقریر کرنی پڑی تھی نیز مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے اس وقت علماء صالحین کی جو جماعت ہمارے درمیان موجود ہے وہ بالعموم اس مسئلہ میں بالکل خالی الذہن ہے حالانکہ اگر اس کی تحقیق کی جائے تو بہت سے ایسے سبق ہمیں مل سکتے ہیں جن سے استفادہ کر کے آئندہ زیادہ اور بہتر اور صحیح کام ہوسکتا ہے۔

پہلا سبب

پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ صاحب اور انکے خلفاء

تک کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور نادانستہ ان کو پھر وہی غذا دے دی ہے جس سے مکمل پرہیز کرنے کی ضرورت تھی حاشا کہ مجھے فی نفسہ اس تصوف پر اعتراض نہیں ہے جو ان حضرات نے پیش کیا وہ بجائے خود اپنی روح کے اعتبار سے اسلام کا اصلی تصوف ہے اور اس کی نوعیت احسان سے کچھ مختلف نہیں ہے لیکن جس چیز کو میں لائق پرہیز کہہ رہا ہوں وہ متصوفانہ رموز و اشارات اور متصوفانہ طریقہ سے مشابہت رکھنے والے طریقوں کو جاری رکھنا یہ ظاہر ہے کہ حقیقی اسلامی تصوف اس خاص قالب کو محتاج نہیں ہے اس کے لئے دوسرا قالب بھی ممکن ہے اس کے لئے زبان بھی دوسری اختیار کی جاسکتی ہے رموز و اشارات سے بھی اجتناب کیا جاسکتا ہے پیر مریدی اور اس سلسلے کی تمام عملی شکلوں کو بھی چھوڑ کر دوسری شکلیں اختیار کی جاسکتی ہیں پھر کیا ضرورت ہے اس پرانے قالب کو اختیار کرنے پر اصرار کیا جائے جس میں مدتہائے دراز سے جاہلی تصوف کی گرم بازاری ہورہی ہے اسکی کثرت اشاعت نے مسلمانوں کو جن سخت اعتقادی و اخلاقی بیماریوں میں مبتلا کیا ہے وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اب حال یہ ہوچکا ہے کہ ایک شخص خواہ کتنی بھی تعلیم دے، بہرحال یہ قالب استعمال کرتے ہی وہ تمام بیماریاں پھر عود کر آتی ہیں جو صدیوں کے رواج عام سے اسکے ساتھ وابستہ ہوگئی ہیں۔

پس جس طرح پانی جیسی حلال چیز بھی اس وقت ممنوع ہوجاتی ہے جب وہ مریض کے لئے نقصان دہ ہو اسی طرح یہ قالب بھی مباح ہونے کے باوجود اس بناء پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہوگیا ہے اس کے لباس میں مسلمانوں کو افیون کا چسکا لگا گیا ہے اور اس کے قریب جاتے ہی ان مزمن مریضوں کو پھر وہی چنیا بیگم یاد آجاتی ہے جو صدیوں ان کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی ہیں بیعت کا معاملہ پیش آنے کے بعد کچھ دیر نہیں لگتی کہ مریدوں میں وہ ذہنیت پیدا ہونی شروع ہوجاتی ہے جو مریدی کے ساتھ مختص ہوچکی ہے یعنی سجادہ رنگین کن

گر تے پیر مغاں کو یہ۔والی ذہنیت جس کے بعد پیر صاحب میں اور ارباب من دون اللہ میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا فکر ونظر مفلوج قوت تنقید ماوف علم وعقل کا استعمال موقوف اور دل ودماغ پر بندی شیخ کا ایسا مکمل تسلط کہ گویا شیخ ان کا رب ہے اور یہ اس کے مربوب پھر جہاں کشف و الہام کی بات شروع ہوئی معتقدین کی ذہنی غلامی کے بند اور زیادہ مضبوط ہونے شروع ہوجاتے ہیں اس کے بعد صوفیانہ رموز واشارات کی باری آتی ہے جس سے مریدوں کی قوت واہمہ کو گو تازیانہ لگ جاتا ہے اور وہ انہیں لے کر ایسی اڑتی ہے کے بے چارے ہر وقت عجائبات وطلسمات ہی کے عالم میں سیر کرتے رہتے ہیں واقعات کی دنیا ٹھہرنے کا موقع غریبوں کو کم ملتا ہے مسلمانوں کے اس مرض سے نہ حضرت مجدد ناواقف تھے نہ شاہ صاحب دونوں کے کلام میں اس پر تنقید موجود ہے مگر غالباً اس مرض کی شدت کا انہیں پورا اندازہ نہ تھا یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دے دی جو اس میں مہلک ثابت ہوچکی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر اسی پرانے مرض سے متاثر ہوتا چلا گیا اگرچہ مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر وہی روش اختیار کی جو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تھی لیکن شاہ ولی اللہ کے لٹریچر میں تو یہ سامان موجود ہی نہ تھا جس کا اشارہ شاہ اسمعیل شہید کی تحریروں میں بھی باقی رہا اور پیری مریدی کا سلسلہ بھی سید صاحب کی تحریک میں چل رہا تھا اس لئے مرض صوفیت کے جراثیم سے یہ تحریک پاک نہ رہ سکی حتی کہ سید صاحب کی شہادت کے بعد ہی ایک گروہ ان کے حلقہ میں ایسا پیدا ہوگیا جو شیعوں کی طرح ان کی غیوبیت کا قائل ہوا اور اب تک ان کے ظہور ثانی کا منتظر ہے۔

اب جس کسی کو تجدید دین کے لئے کام کرنا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ متصوفین کی زبان واصطلاحات سے رموز واشارات سے لباس واطوار سے پیری مریدی سے اور ہر اس چیز سے جو اس طریقہ کی یاد تازہ کرنے والی ہو مسلمانوں کو اس طرح پرہیز کرائے جیسے ذیابیطس کے

مریض کوشکر سے پرہیز کرایا جاتا ہے۔(تجدید واحیائے دین ص 114-122 ملخص)۔

اہل تصوف جوخود کو اہل حقیقت کہتے ہیں انکی اور اہل حق کی یہ چپقلش تا حال جاری ہے اس سلسلہ کی ایک کڑی پیش نظر کتاب: انسانی عظمت کی حقیقت ، ہے یہ دراصل علامہ سید بدیع الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ کا لکھا ہوا مقدمہ ہے اسکی تفصیل کچھ یوں ہے کہ مولوی عبدالکریم بیر شریف کی ایک متصوفانہ تقریر بزبان سندھی انسان کی عظمت تھی اس کا جواب ایک حنفی المسلک جناب محمد حیات لاشاری صاحب نے لکھا اور اس پر شاہ صاحب سے مقدمہ لکھوایا (بعد میں لاشاری صاحب اہلحدیث ہوگئے)لاشاری صاحب کی اصل کتاب تو کسی وجہ سے مفقود ہوگئی مگر شاہ صاحب رحمہ اللہ کا تحریر کردہ مقدمہ علیحدہ مسودہ کی صورت میں موجود رہا جسے سندھی زبان میں شائع کرایا گیا اور علمائے نے اسے قبول عام بخشا موضوع اور کتاب کی افادیت کے پیش نظر دالدار الراشدیہ نے اپنی شاندار روایات کے مطابق اسکو اردو میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ترجمہ کی اہم ذمہ داری حافظ عبدالحمید گوندل صاحب نے احتیاط سے بحسن وخوبی نبھائی ہے راقم کو مقدمہ لکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی چونکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کا انداز نہایت علمی ہوتا ہے اسلیئے عوام الناس ان کی کتب سے کما حقہ استفادہ کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں اسلیئے راقم نے حتی الوسع موضوع کو عوام الناس کے لئے آسان فہم بنانے کی غرض سے تفصیلی مقدمہ لکھا ہے اگر چہ تصوف کی تردید و تحقیق پر مزید کام ہونا چاہیئے اور انشاء اللہ علمائے حق کرتے رہیں گے یہ کتاب اس سلسہ کی اہم کڑی ہے امید ہے کہ اہل حق عوام اس سے استفادہ کریں گے مزید تحقیق وتنقید کے لئے کتاب ’’انسانی عظمت کی حقیقت‘‘ ایک سنگ میل کا کردار ادا کرے گی انشاء اللہ ۔اللہ کی ذات سے امید ہے کہ مصنف رحمہ اللہ کی اعلی مترجم ،ناشر اور راقم کی ادنی سی کوششوں کو اپنے دربار میں قبول فرمائے اور تمام معاونین کیلئے ذریعہ نجات اخروی بنائے ۔آمین ۔

عبدالعظیم حسن زئی
نائب مدیر صحیفہ اہل حدیث کراچی
استاد جامعہ ستاریہ اسلامیہ کراچی

مقدمة المؤلف

الحمد لله تعالىٰ شانه كما وصفه العادلون .هو الواحد الاحد الذى علا كل شئى وقهره و كل لديه داخرون .يحمده كل شئى ويسبح به ويسجد و كل له قانتون.يسبح الرعد بحمده والملئكة من خيفته لا احصى ثناء عليه هو كما اثنى على نفسه لا كما توهم له الملحدون الماكرون.هو على عرشه والقاهر فوق عباده له نؤمن و نسجد و اليه نحفد و عليه نتوكل و ندعوه و نحن له عابدون . يهلك من يشآء و يبقى من يشآء الى ما يشاء بامره وقدرته و رادته و حكمته لا كما وهمه المارقون الظانون. و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ولا مثيل له ولو كره الكافرون. و نشهد ان افضل الخلق محمد عبده ورسوله اتانا بالحق الذى انزل اليه من فوق وسبع سموات نزل به الروح الامين والملئكة شاهدون. ففتح الله به اذانا صما واعينا عميا وقلوبا غلفا فهم على سبيل الصدق سالكون. يؤمنون كما امروا يقرون بما اخبروا به من صفات ربهم بلا تعطيل ولا تكييف ولا تمثيل بل هم مسلمون لا جاحدون .ولا يتبعون الا هواء التى يوحيها الشيطن الى اولياء هم من التاويلات والهفوات بل هم عنها ساكتون. اولئك اهل القرون المشهود لهم بالخير الصحابة فاتباعهم والتابعون .رضى الله عنهم و

رضوا عنه و من اهتدى بهديهم واقتفى آثارهم اولئک هم الفائزون ۔
اللهم صل عليه وسلم و على آله وصحبه ومن تبعه الى يوم تجمع بين
الفريقين فيخسر المبطلون ويفلح الصالحون۔

اما بعد

رسالہ ''انسان کی عظمت'' کا مضمون قرآن وحدیث اور عقل فطرت کے خلاف
ہے صفحہ 33 پر ایک روایت نقل کی گئی ہے جس کی صحت بذمہ ناقل ہے کہ جس وقت آپ
ﷺ پیدا ہوئے تو حالت سجدہ میں تھی اور انگلی اوپر کی جانب اٹھائی ہوئی تھی کہ سجدہ صرف
اللہ کے لئے ہے کسی اور کے لئے ہرگز نہیں ۔(انسان کی عظمت ص 33)

اگر یہ روایت صحیح سند سے ثابت ہے تو پھر ''استواء علی العرش'' والے عقیدے کو
فطری کہیں گے کیونکہ ایسا نوزائیدہ بچہ جسے ابھی نہ پڑھایا گیا ہے اور نہ ہی سمجھایا گیا ہے وہ اوپر
اشارہ کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا وہ اشارہ علی تقریر الثبوت قبل النبوت تھا۔

جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ما كنت تدرى ما الكتب ولا الايمان (الشورى :52)

''آپ نہ تو یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی یہ کہ ایمان کیا ہے''۔

اس فطری عقیدے کیخلاف یہ ساری تقریر لغو اور لایعنی ہے سچ ہے کہ

دروغ گورا حافظہ نباشد

سرخیل تابعین امام محمد بن قاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان الله عزوجل اعاننا على الكذابين بالنسيان

(اخرجه العقيلى فى الضعفاء ص 7-6 ج 1 قلمى)

''اللہ تعالیٰ ان جھوٹوں پر ہماری مدد اس طرح کی ہے کہ ان کا حافظہ نہیں ہوتا''۔

رسالہ ''انسان کی عظمت'' میں مندرجہ ذیل قابل اعتراض باتیں ہیں:

الف: اس پورے رسالے میں اسلام کے خلاف عقیدہ پیش کیا گیا ہے (تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا ان شاء اللہ)

ب: اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی مخلوق میں سے مثالیں دی گئی ہیں جبکہ حکم یہ ہے کہ:

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ.(النحل 7)

''لوگو! اللہ کے بارے میں (غلط) مثالیں نہ بناؤ (صحیح مثالوں کا طریقہ) اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے''۔

لیس کمثلہ شیءٌ.(الشوری :11)

''اس (اللہ) جیسی کوئی بھی چیز نہیں ہے''۔

یہ آیات مثالون کی تردید کرتی ہیں اور مثالیں دینے والوں کی تنبیہ کے لئے کافی ہیں۔

ج: اسی رسالے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید مخلوق ہے (نعوذ باللہ) ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

د: رسالے میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو ایسے طریقے سے معطل رکھا گیا ہے کہ ان کی کیفیت اور تشبیہ لازم آتی ہے یا پھر بالکل بے معنی رہ جاتی ہیں ایسے تمام عقائد ایک دوسرے سے بڑھ کر باطل ہیں۔

ھ: اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کو متجزی مانا گیا ہے یا اس جواز کے لئے حیلہ بنایا گیا ہے۔

و: جاہلانہ طریقے سے قرآن مجید کی آیات کا انکار کیا گیا ہے چنانچہ لکھتا ہے کہ اگر وہ (اللہ) درخت پر نازل ہو تو درخت بولے۔ انی انا اللہ............الخ (ص 25)

ز: قرآن مجید کی لفظی تحریف کی گئی ہے یہ یہودیوں کی پرانی عادت ہے۔

ح: معنوی تحریف بھی کی گئی ہے مثلاً درخت کیسے کہے گا کہ میں خود اللہ ہوں یہ

خدشات مقرر کے ذہن میں بھی آئے ہوں گے اس لئے تو اس جملے کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔

ط: تمام روایات یا تو موضوع ہیں یا پھر ضعیف۔ یہ اہل علم کا وطیرہ نہیں ہے۔

ف: خصوصاً عقائد کے متعلق ان کی اپنی عقیدے کی کتاب میں لکھا ہے:

ان خبر الواحد علی تقدیر اشتمالہ علی جمیع الشرائط المذکور فی اصول الفقہ لایفید الا الظن ولاعبرۃ بالظن فی باب الاعتقادیات۔(شرح العقائد النسفیۃ 67)

اگر خبر واحد ان تمام شروط پر مشتمل ہو جو اصول فقہ میں مذکور ہیں تو ایسی خبر واحد ظن کے سواء کوئی بھی فائدہ نہیں دیتی جبکہ عقائد میں ظن کا کوئی اعتبار ہی نہیں کیا جاتا۔

ک: عکس کی مثال دے کر ختم نبوت کے عقیدے کو ضرب لگائی ہے اور مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کے لئے چور دروازے کھولے ہیں۔

ل: اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی باتیں کی گئی ہیں جن کا ثبوت نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ ہی احادیث مبارک میں۔

ایسی باتیں علم کے بغیر اور ذہنی اختراع سے کہی گئی ہیں یہ تمام حرام کاموں میں سب سے بڑا حرام کار ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق و ان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطنا و ان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون۔(الاعراف:33)

''کہہ دو کہ میرے پروردگار نے بے حیائی کی باتوں کو چاہے ظاہر ہوں یا پوشیدہ، حرام قرار دیا ہے اور اس کو بھی کہ تم اللہ کے ساتھ شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی حرام قرار دیا ہے کہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی صفات مقدسہ میں نقص کا جواز پیدا کیا ہے جو حدوث کو مستلزم ہے۔

سبحانه و تعالیٰ عما یصفون.

ن: رسالہ پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے انسانوں کا وجود بھی لافانی ہے (ص28-29)

اس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ختم کیا گیا ہے۔

س: وہاں سے کروڑوں کی تعداد میں نور کی شعاعیں (rays) پھوٹی ہیں وہ شعاعیں انتہائی باریک ذرات پر مشتمل ہوتی ہیں اور وہ ذرے ہم تک پہنچتے پہنچتے فنا ہو جاتے ہیں مگر ان ذرات کے پیچھے ایسی زبردست امداد آرہی ہے کہ ان ذرات کا فنا ہونا محسوس نہیں ہوتا۔مدار و بیان ایسا ہے کہ دہریوں کا عقیدہ معلوم ہوتا ہے۔

وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت و نحیا وما یھلکنا الا الدھر.(الجاثیة:24)

''اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے''۔

اگر وہ نور کے ذرے فانی ہین تو پھر ان کو نور کے ذرے کیوں کہتا ہے؟

کبرت کلمة تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا(الکھف :5)

''بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور (کچھ شک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ محض جھوٹ ہو''۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کو فانی کہنا مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہے۔

ک: اللہ تعالیٰ کی صفات مبارکہ سمع،بصر،کلام وغیرہ کا ہم پر واقع ہونا،ہمارا سننا،دیکھنا اور بات کرنا ہے۔یہ عقیدہ حلولین کا ہے سلف میں سے کسی مسلمان سے یہ عقیدہ منقول نہیں ہے۔

ص: صفات الٰہی کی بھی توہین کی گئی ہے کہتا ہے کہ کئی سننے والے کان بری باتیں سنتے ہیں اور کئی آنکھیں ناجائز، حرام اور قبیح منظر دیکھتی ہیں کئی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں غیبت کرتی اور گالیاں بکتی ہیں۔

یہ سب صفات عالیہ کا کمال کہلائیں گی؟ (نعوذ باللہ)۔

ق: پھر ہماری جو دوسری صفتیں ہیں مثلاً کھانا، پینا، بول و براز، توالد و تناسل، ان کے بارے میں کیا کہیں گے۔

خود کہتا ہے کہ "قدیر کی تجلی نے بدن میں قوت دی" الخ (ص 38)

نعوذ باللہ من ھذہ العقیدہ الخبیثۃ.

ر: اللہ تعالیٰ کے نور کی شعاعیں زمین پر گر رہی ہیں۔(ص 38)

پھر دنیا کیسے سلامت ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا و خر موسی صعقا.(**الاعراف** :123)

"جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو (انوار ربانی نے) اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ (علیہ السلام) بیہوش ہو کر گر پڑے"۔

اس طرح تو دنیا میں کوئی بھی سلامت نہیں رہے گا نہ مولوی رہے گا اور نہ ہی ایسی تقریریں کرے گا۔

ش: بجلی کی مثال دے کر اللہ تعالیٰ کی شان پر زبردست حملہ کیا گیا ہے (ایضاً) لالٹین یا بلب خود کسی کے جلانے کے محتاج ہوتے ہیں اگر چہ ان کے جلنے سے ارد گرد روشن ہو جائے کیا یہ مثال خالق کل شئی کے لئے صحیح ہے؟۔

ت: لقائل ان یقول۔ کہ ہمارا وجود ہے اگر یہ ہمیشہ باقی رہے.......... الخ (ص 37)

تو پھر اللہ تعالیٰ کے نور کی شعائیں گرنے کا کیا فائدہ؟

ش: اوراگرانکے آگے پردہ آجائے تو پھر ہمارا وجود ختم ہوجائے(ص 37)
اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنیوالی روشنی کوکوئی روک سکتا ہے؟ ''من یھدی اللہ فلا مضل لہ''
کے کیا معنی ہوں گے؟

خ: اللہ تعالیٰ کوموجودات کا ٹھکانہ بتایا گیا ہے۔
اس کا معنی مستقر کردیا منتہی لیکن قرآن اس عقیدے کے خلاف کہتا ہے۔

الی ربک یومئذن المستقر(القیامۃ12)

''اس روز پروردگار ہی کے پاس ٹھکانہ ہے''۔

ان الی ربک المنتھی(النجم123)

''تمہارے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس مستقر یا منتہی ہے نہ کہ اللہ خود ہمارا مستقر یا منتہی ہے۔(معاذ اللہ)۔

بہ بین فرق از کجا است تا بکجا

ذ: کہتا ہے کہ اگر خالق موجودات پر تیری نظر نہ پڑی تو پھر تیری نظر کسی پر نہ پڑی اور تو نے کچھ نہیں دیکھا۔(ص 42)

یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ بتی اور جو چیزیں اس کی روشنی میں نظر آتی ہیں وہ سب ممکنات اور مرئیات میں سے ہیں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:
''لن ترانی'' پروردگار نے کہا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔اور خود فرمایا: ''ولکن انظر الی الجبل''(الاعراف: 123)''ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو''۔
ایک ہی شخص یعنی موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کو جو بقول صوفیہ اللہ تعالیٰ ہی کا مظہر ہے دیکھ رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔

ض: انہ کان ظلوما جھولا کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کے بارے میں بتائے کہ ظلوم اور

جعول ظرف ہیں یا مظروف؟ یہ آیت مدح کے بیان میں ہے مذمت کے اور یہ کہ کان تامہ ہے یا ناقصہ۔ مولانا کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی تفسیر بصورت تحریف پر نظر ثانی کریں۔

ظ: منکرین تقدیر کی ہمت افزائی کی گئی ہے اگر ہماری ساری قوتیں اس کی قوت کے تابع ہیں تو پھر گناہ کرنے میں ہمارا کیا قصور؟

تمہارے ہی بزرگ نے کہا ہے:

الرب حق والعبد حق	لیت شعری من المکلف
ان قلت عبد فذاک رب	و ان قلت رب انی یکلف
رب بھی حق ہے اور بندہ بھی حق	کاش کہ مجھے پتہ ہو کہ مکلف کون ہے
اگر تو کہے کہ بندہ ہے یہ تو رب ہے	اگر کہے کہ رب ہے تو وہ مکلف کیسے؟

غ: اس طرح ساری شریعت، احکام اور قواعد الٰہیہ بیکار ہیں (نعوذ باللہ)

اسلاف کا عقیدہ

1۔ امام قتیبہ بن سعید فرماتے ہیں:

هذا قول الائمة في الاسلام والسنة والجماعة نعرف ربنا في السماء السابعة على عرشه كما قال جل جلاله الرحمن على العرش استوى. (العلو للعلي الغفار ص 128 طبع المدينة المنورة)

"یہ ائمہ اسلام اور اہل سنت والجماعۃ کا قول ہے کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمارا رب ساتویں آسمان پر اپنے عرش پر مستوی ہے" جیسا کہ خود فرمایا ہے کہ رحمٰن تو عرش پر مستوی ہے۔

2۔ امام اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں:

اجمع اهل العلم انه فوق العرش استوى ، ويعلم كل شيء في اسفل

الارض السابعة(العلو ص123)

''تمام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور زمین کی پاتال تک ہر چیز سے باخبر ہے''۔

3۔امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''کتاب العلو'' میں امام ابوالحسن الاشعری ابوعمر الطلمنکی ، ابوبکر اسماعیلی اور دیگر ائمہ دین سے یہ قول نقل کیا ہے کہ ''اس عقیدے پر اسلاف کا اجماع اور اتفاق رہا ہے''۔

4۔ابوعثمان الصابونی فرماتے ہیں:

و کذالک یقولون فی جمیع الصفات التی نزل بذکرها القرآن و وردت بها الاخبار الصحاح من السمع والبصر والعین والوجه والعلم والقوة والقدرة والعزة والعظمة والارادة والمشیئة والقول والکلام والرض والسخط والحیاة والیقظة والفرح والضحک وغیرها من غیر تشبیه لشئی من ذلک بصفات المربوبین المخلوقین بل ینتهون فیها الی ماقاله الله تعالیٰ و قاله رسول الله ﷺ من غیر زیادة علیه ولا اضافة الیه ولاتکییف له ولاتشبیه ولا تحریف ولا تبدیل ولاتغییر ولا ازالة للفظ الخبر مما تعرفه العرب و تضعه علیه بتاویل منکر ویجرونه علی الظاهر ویکلون علمه الی الله تعالیٰ یقرون بان تاویله لا یعلمه الا الله کم اخبر الله عن الراسخین فی العلم انهم یقولونه و قوله تعالیٰ ﴿والراسخون فی العلم یقولون امنا به کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب﴾ویعتقد اهل الحدیث و یشهدون ان الله سبحانه و تعالیٰ فوق سبع سموات علی عرشه کما نطق به کتابه فذکر الآیات یثبتون له من

ذلک ما اثبته الله تعالیٰ و یؤمنون به و یصدقون الرب جل جلاله فی خبره ویطلقون ما اطلقه سبحانه و تعالیٰ من استوائه علی العرش و یمرون علی ظاھره و یکلون علمه الی الله (الرسائل المنیریه ج1ص110-107)

کہ عقیدہ اہل سنت والجماعت اس طرح ہے اوراسی طرح وہ اس کی ان صفات کے بارے میں کہتے ہیں جوقرآن مجید میں نازل ہوئیں یا احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں مثلاً سنن، دیکھنا، آنکھ، چہرہ، علم قوت،قدرت،عزت،عظمت، ارادہ،مشیت،قول، کلام، رضامندی، ناراضگی، خوشی، زندہ ہونا، جاگنا، اور ہنسا وغیرہ ان صفات میں سے کسی ایک کی بھی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیے بغیر ایمان لاتے ہیں بلکہ ان کی آخری بات وہی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ نے فرمائی ہو نہ اس میں کوئی زیادتی کرتے ہیں اور نہ ہی کمی نہ اس کی کوئی کیفیت متعین کرتے ہیں اور نہ ہی اس کو کسی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور نہ ہی اس میں کوئی تبدیلی اور تغیر کرتے ہیں اور نہ ہی اہل عرب کے بیان کردہ معنی کے خلاف کوئی غلط تاویل کرتے ہیں بلکہ اس کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں اوراس کا علم اللہ کے سپرد کرتے ہیں اوروہ اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ان کی تاویل اللہ کے سواء کوئی بھی نہیں جانتا جیسا اللہ تعالیٰ نے پختہ علم والوں کے بارے میں کہا ہے یہ بھی ویسا ہی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿جولوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے یہ سب آیات ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں﴾ اہل حدیث کا یہ عقیدہ ہے اوروہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان کے اوپر اپنے عرش پر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کے لئے ہر اس صفت کو ثابت مانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بیان کی اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی اس خبر کی تصدیق کرتے ہیں اور جسے اللہ نے مطلق کہا ہے اسے مطلق مانتے ہیں اور اس کے عرش پر مستوی ہونے کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

5۔امام بیہقی کتاب الاسماء والصفات صفحہ 291 طبع ہند میں فرماتے ہیں:

اخبرنا ابو عبدالله الحافظ قال اخبرني ابو عبدالله محمد بن علي الجوهري ببغداد قال ثنا ابراهيم بن الهيثم قال ثنا محمد بن كثير المصيصي قال سمعت الاوزاعي يقول كنا والتابعون متوافرون نقول ان الله تعالىٰ ذكره فوق عرشه و نؤمن بما وردت السنة به من صفاته جل و علا۔

محمد بن کثیر مصیصی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام اوزاعی رحمہ اللہ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ہم اور دیگر بہت سارے تابعین کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور ہم ان تمام صفات پر ایمان لاتے ہیں جو احادیث میں بیان ہوئیں۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے کتب سلف مثلاً کتاب الرد علی الجھمیۃ، امام عثمان بن سعید دارمی کی کتاب الرد علی بشر المریسی، امام عبداللہ بن احمد حنبل کی کتاب السنہ، امام ابن خزیمہ کی کتاب التوحید، امام ابو بکر اجری کی کتاب الشریعہ اور امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات اور کتاب اعتقاد والسلف وغیرہ بھی ضرور دیکھنی چاہیئے۔

شیخ کبیر عالم ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

نقول اما معرفة الصانع عزوجل بالآيات والدلالات على وجه الاختصار فهي ان يعرف و يتيقن انه واحد فرد صمد لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ

كُفُوًا اَحَدٌ. لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ لا شبيه له ولانظير ولا عون ولا شريک ولا ظهير ولا وزير ولا ند ولا مشير له ليس جسم فيمس ولا بجوهر يحس ولا عرض فيقضى ولاذى تركيب اوآلة و تاليف وماهية و تحديد وهو الله للسماء رافع وللارض واضع لا طبيعة من الطبايع ولا طالع من الطوالع ولا ظلمة تظهر ولا نور يظهر حاضر الاشياء علما شاهد لها من غير مماسة عزيز قاهر حاكم قادر راحم غافر ساتر معز ناصر رؤف خالق فاطر اول آخر ظاهر باطن فرد معبود حى لا يموت ازلى لا يفوت ابدى المكوت سرمدى الجبروت قيوم لا ينام عزيز لا يضام منيع لا يرام فله الاسماء العظام المواهب الكرام قضى بالفناء علىٰ جميع الانام فقال كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وهو بجهة العلو مسوى على العرش محتو على الملک محيط علمه بالاشياء (غنية الطالبين ص ۵۲ ج ۱)

اس مقام پر ہم اختصار کے ساتھ صانع عالم کی معرفت کی آیتیں اور دلیلیں عرض کرتے ہیں۔ انسان کو یہ معرفت اور یقین ہونا چاہیئے کہ اللہ یکتا ہے اور بے نیاز ہے نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے۔ اور کوئی بھی چیز اس جیسی نہیں ہے وہ سنتا اور دیکھتا ہے (یعنی کسی کی ذات یا صفت یا کوئی فعل اللہ کی ذات، صفت اور فعل جیسا نہیں ہوسکتا) اور نہ ہی کوئی اس کے مشابہ ہے۔ اسی طرح کوئی اس کا مددگار ہے نہ شریک، نہ سہارا دینے والا ہے نہ وزیر نہ مد مقابل ہے نہ مشیر اور نہ تو وہ جسم ہے کہ اسے چھوا جا سکے اور نہ ہی وہ جوہر ہے کہ اسے محسوس کیا جا سکے اور نہ عرض ہے کہ ختم ہو سکے۔ مرکب آلہ یا اجزاء کا مجموعہ بھی نہیں ہے۔ نہ ہی اس کی ماہیت ہے اور نہ ہی جدا جدا

ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے بلند آسمان بنایا اور زمین کو بچھایا۔ نہ تو وہ طبعت ہے اور نہ ہی طالع اور وہ ایسا اندھیرا یا روشنی نہیں کہ ظاہر ہوجائے ہر چیز کا علم اس کے پاس ہے کوئی بھی چیز اسے چھو نہیں سکتی وہ بڑا ذی وقار رب پر غالب سب کا حاکم، ہر چیز پر قادر، رحم کرنے والا، نرمی والا، سب کا خالق اول وآخر ظاہر وباطن ہے وہ بالکل اکیلا اور لائق عبادت ہے ہمیشہ زندہ رہنے والا زندہ جاوید ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہے گا اس کی بادشاہت دائمی ہے اور اس نے کائنات عالم کا نظام سنبھالا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ میں زمین کا نظام بھی ہے اسے نیند نہیں آتی وہ ایسے غلبے والا ہے کہ کوئی بھی اس پر ظلم نہیں کرسکتا وہ اتنا محفوظ ہے کہ کوئی بھی اس پر حملہ نہیں کرسکتا۔ اس کے بڑے عظیم نام ہیں ہر قسم کی نعمتیں وہی تو دیتا ہے اسی نے تمام مخلوق کے لئے فیصلہ فرمایا ہے وہ فرماتا ہے ''جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے پروردگار کی ذاتِ بابرکت جو صاحب جلال و عظمت ہے باقی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ بلند اور عرش پر مستوی ہے سارا جہاں اس کے احاطہء قدرت میں اور ہر چیز اس کے دائرہ علم میں ہے۔

نیز صفحہ 56 پر فرماتے ہیں:

وهو منزه عن مشابهة خلقه ولا يخلوا من علمه مكان ولا يجوز و صفه بانه في كل مكان بل يقال انه في السماء على العرش كما قال جل ثناءُ ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ قوله ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمٰنُ﴾ وقال تعالىٰ: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ والنبی ﷺ حكم باسلام الامة لما قال لها اين الله فاشارت الى السماء

وہ اللہ اس بات سے منزہ ہے کہ اسے مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی جائے اس کے علم سے کوئی بھی جگہ خالی نہیں ہے اللہ کی یہ صفت بیان کرنا کہ ''وہ ہر جگہ پر حاضر ہے''

جائز نہیں ہے بلکہ اس بارے میں یوں کہا جائے کہ وہ (اللہ) عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اللہ نے خود فرمایا ''رحمٰن تو عرش پر مستوی ہے'' اور دوسری جگہ ارشاد ہے ''پھر رحمٰن عرش پر مستوی ہوا'' ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے ''اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل ان کو بلند کرتے ہیں''۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اس لونڈی کے بارے میں کہا کہ یہ مسلمان ہے جس سے پوچھا گیا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے جواباً آسمان کی طرف اشارہ کیا۔

قارئین! بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سلف صالحین کا کیا عقیدہ تھا اور صاحب کتاب کیا کہہ رہے ہیں؟ ایک طرف قرآن وحدیث، صحابہ، تابعین اور سلف صالحین ہیں تو دوسری طرف صاحب کتاب۔ دراصل پائیداری اور یقین والا طریقہ وہی ہے جو سلف صالحین نے اختیار کیا اور جو طریقہ صاحب کتاب نے اختیار کیا ہے اس میں سوائے بربادیٔ وقت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

امام فخر الدین الرازی عمر کے آخری حصے میں یہ شعر کہتے رہے:

نهاية اقدام العقول عقال
واكثر سعي العالمين ضلال
و ارواحنا في وحشة من جسومنا
وغاية دنيانا اذى و وبال
ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا
سوى ان جمعنا فيه قيل و قالوا

(الفتوىٰ الحمویۃ لابن تیمیہ ص 91)

علامہ عبدالعزیز علامہ محمد حیات علامہ عبداللہ علامہ عبدالغفار اور ان جیسے دوسرے علماء

قابلِ تحسین ہیں کہ جنہوں نے ہر فتنے کے زمانے میں بغیر کوئی دقیقہ فروگذاشت کئے باطل کی دھجیاں بکھیر دیں اور حق کے علم کو بلند رکھا۔ اللہ انہیں اس کا اچھا بدلا نصیب فرمائے آمین۔

اب ہم نام نہاد اہل سنت کے رسالے ''انسان کی عظمت'' پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہیں۔ بظاہر نام انسان کی عظمت رکھا گیا ہے مگر اس میں عظمت انسانی کو نہ قرآن سے بیان کیا گیا ہے اور نہ حدیث سے۔ محض عقل کے گھوڑے دوڑائے گئے ہیں اور بھی یونانی فلاسفروں کی تقلید میں کہ جن کا نہ سر ہے اور نہ پاؤں۔ کیا انسان کی عظمت یہی ہے کہ جس سے خالق اکبر کی اہانت لازم آتی ہو؟ کیا عظمت انسانی یہی ہے کہ نبی اور امتی کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا جائے (دیکھئے انسان کی عظمت صفحہ 43)

یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی عظمت کو مختصر ترین الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل 70)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو بحر و بر میں (سفر کے لئے) سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

یہ مختصر مگر جامع کلام مولوی عبدالکریم صاحب کی تھدید کے لئے کافی ہے اور ان کی تقریر سے بے پرواہ کرنے والا ہے کیونکہ اس میں نہ نور کو وزن کرنے کا ذکر ہے اور نہ سورج کے عکس کا اس قسم کی تقریریں بجائے ہدایت کے گمراہی پھیلانے کا سبب بنتی ہیں۔ (مزید معلومات آگے آئیں گی)۔

قال۔ یہ مجلس میلاد النبی ﷺ کے نام سے منعقد کی گئی ہے اور اس قسم کی مجلسیں علمی اداروں میں نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ (ص 24)

اقول ۔ اس قسم کی مجلسیں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے ادوار میں بھی ہوتی رہتی تھیں یا نہیں؟ اگر اس دور میں بھی منعقد ہوتیں تھیں تو ثبوت کیا ہے؟ **ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین۔**

یاد رکھیں کہ میلاد منانا فرعونیوں کی سنت ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے بائبل عربی۔ **الاصحاح الحادی والاربعون** اور بائبل اردو (صفحہ 42)

وہ بہت خوب! کیا یہ انسانی عظمت ہے کہ لوگوں کو فرعون کے طریقے پر چلنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ کیا سلف صالحین کے دور میں علمی ادارے موجود نہ تھے؟ اور کیا انہوں نے اس قسم کی مجالس کو کوئی اہمیت دی تھی؟

نہ پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

میلاد یا سالگرہ منانا عیسائیوں کا طریقہ ہے یا مسلمانوں کا؟

و سوف تری اذا انکشف الغبار
افرس تحت رجلک ام حمار

کمالِ انسانی کی جتنی بھی منزلیں تھیں رسول اللہ ﷺ نے ان سب کی نشاندہی کی ہے اور تم جس منزل کا ذکر کر رہے ہو اس کا وجود کہیں بھی نہیں ہے۔

قال ۔ ایک ہی قسم کی دو چیزیں جب الگ الگ ہوتی ہیں تو ان کی اپنی اپنی طاقت ہوتی ہے لیکن جب انہی دو چیزوں کو ملا دیا جائے تو پھر الگ سے ایک ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جو ان دونوں میں موجود نہیں ہوتی۔ دو چیزوں کو مرکب کرنے سے ایک نئی قوت جنم لیتی ہے۔ (صفحہ 25)

اقول ۔ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ ایسی کوئی چیزیں ہیں جن کی حقیقت بھی الگ ہے

اور قوت بھی الگ۔ مثلا ایسی چیزوں کو ترتیب دینے سے زائد یا الگ طاقت حاصل نہیں ہوتی۔ مثلا ائی کئی متضاد چیزیں اپنی جداگانہ حیثیت میں فائدہ مند ہوتی ہیں لیکن جب انہیں ملا دیا جاتا ہے تو یہ اپنی افادیت کھو کر ضرر رساں بن جاتی ہیں۔ ڈاکٹر حضرات اور حکماء سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔ ایسی بات پر اپنے مدعا کی بنیاد رکھنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

امام ابن حزم رحمہ اللہ کتاب التقریب ص 106 میں فرماتے ہیں:

ما كان بهذه الصفة مما يصدق مرة و يكذب اخرى ولا ينبغي ان يوثق بمقدماته ولا بنتائجها الحادثة عنها ولا يجب ان يلتزم في اخذ البرهان وانما ينبغي ان يوثق بما قد تيقن انه لا يخون ابدا

ایسی چیز کہ جس میں دونوں احتمالات پائے جاتے ہوں کہ کبھی صحیح ہے اور کبھی غلط تو ایسی چیز کے مقدمات اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج پر اعتماد کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ دلیل کا ہونا لازمی ہے اور مناسب یہ ہے کہ ٹھوس بات پر یقین کی بنیاد رکھی جائے۔

اور تم نے خود جن چار عناصر کا تذکرہ کیا ہے یعنی آگ پانی ہوا اور خاک، انہی پر غور کرلو کہ کیا آگ اور پانی مل سکتے ہیں؟ ہوا اور خاک کا کوئی مقابلہ ہوسکتا ہے؟ لیکن اللہ تعالی نے ایسی کئی چیزوں کو ملایا ہے جو باہم متضاد بھی ہیں اور باہم موافق بھی مثلاً:

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ (یس: 80)

وہی ہے جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔

اب تم آگ اور درخت ملا کر دکھاؤ؟

قال ۔ جو جو جس طرف سے بھی کھلے گا لازماً اسے انہی اجزاء سے بنا ہوا ماننا پڑیگا (ص 26)

اقول ۔علاوہ ازیں صفحہ 38 دیکھئے فرماتے ہیں کہ علیم کی تجلی آئی تو دماغوں میں علم آیا کلیم کی تجلی آئی زبانوں میں اثر آیا۔مرید کی تجلی آئی تو دل میں ارادہ آیا،قدیر کی تجلی آئی تو بدن میں قوت آئی اور روح کی تجلی نے ہمیں زندہ بنایا۔الخ۔

تمہارے بقول اگر ہر چیز تجلی کی مرہون منت ہے تو پھر ان چار چیزوں کے ملنے سے قوت کیوں نہ آئی آگ،پانی،ہوا اور خاک پر تجلی کا کچھ تو اثر نظر آتا؟ اس عبارت میں جتنے مفسد پہلو ہیں ان کا ذکر آگے آئے گا(ان شاءاللہ)۔

قال: اس کا وجود خاکی ہے لہذا اس کا اضافہ بھی خاک سے کیا گیا ہے صفحہ 26۔

اقول: خاک اور غذا میں کیا مناسبت ہے؟ جنات کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے۔ **کما ھو نص القرآن والحدیث﴿خلق الجان من مارج من النار﴾(الرحمن) والحدیث اخرجہ مسلم المشکوۃ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام الفصل اول** تو جنات کے لئے غذا کس لئے ہے؟

اگر یہ کہو گے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر انسانی غذا زمین کی پیداوار ہے پھر بھی دعوے میں تناقض رہے گا کیونکہ قرآن مجید میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی دعا پر آسمان سے المائدہ اترنے کا حکم موجود ہے۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا (المائدۃ: 113)

انہوں نے کہا کہ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم اس میں سے کھائیں کیا یہ بھی زمینی پیداوار تھی؟

وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (البقرۃ: 57)

اور تمہارے لئے من وسلویٰ اتارا۔

سلویٰ کے بارے میں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے پرندوں کا شکار مراد ہے اور پرندے

زمین پر رہتے ہیں اور زمینی پیداوار کھاتے ہیں مگر من تو آسمان سے نازل کردہ چیز تھی یہ تو زمین کی پیداوار نہ تھی۔ علاوہ ازیں یہ کہ شہداء کی ارواح کو جنت میں سبز پرندے کی شکل دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ کما فی الحدیث و قال تعالی عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران: 169)

کیا اس رزق کو بھی زمینی پیداوار کہیں گے؟

قال ۔ جب کوئی چیز ترقی کرتی ہے تو اپنے اردگرد کے ماحول کی کچھ چیزوں کو اپنے وجود میں شامل کر لیتی ہے جبھی ترقی ہوتی ہے۔ (ص 26)

اقول ۔ یہاں انسان کی کونسی ترقی مراد ہے، جسمانی یا روحانی؟ اگر جسمانی ترقی مراد ہے تو وہ چار عناصر تو پہلے ہی اس میں تسلیم کیے ہیں، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً (الروم: 56)

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں (ابتداء میں) کمزور حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد طاقت عنایت کی پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا۔

جب ماحول میں تمام اشیاء موجود ہیں تو پھر ترقی کی راہ مسدود کیوں ہوئی؟ کمزوری کیوں آئی؟ پیرانہ سالی کا شکار کیوں ہوا؟

اور اگر یہاں روحانی ترقی مراد ہے تو تمہارے بقول ہمارے وجود کو اس ذات بابرکت کے نوری وجود سے ایسے ذرات ملتے رہتے ہیں کہ جن سے ہمارا وجود ہمیشہ جوان رہتا ہے (صفحہ 37)

اس عبارت میں جو گوہر افشانیاں کی گئی ہیں ان کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا (ان شاء اللہ)۔ مگر اتنا تو بتاؤ کہ کیا ان ذرات کو انسان کی کشش کھینچ کر لاتی ہے؟ معلوم نہیں کہ

محویت کے کس عالم میں یہ الفاظ کہہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ

(الشوریٰ: 52)

اور اسی طرح ہم نے تمہارے طرف روح القدس کے ذریعے سے قرآن بھیجا تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (القصص 86)

اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر تمہارے رب کی مہربانی سے (نازل ہوئی)۔

قال ۔ مرجان ایک پتھر ہے جو سمندر کی گہرائیوں میں پیدا ہوتا ہے اور سال میں منوں کے حساب سے بڑھتا رہتا ہے۔ (صفحہ 29)

اقول ۔ مرجان خالص پتھر نہیں ہے۔ سندھی ادبی بک بورڈ کی طرف سے شائع کردہ فرہنگ جعفری ص 356۔ ج 1۔ دیکھئے۔ وہاں مرجان کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ یہ سمندر میں ایک درخت کی پیداوار ہے نیز علامہ حکیم طنطاوی تفسیر الجواہر صفحہ 101 ج 8 میں لکھتے ہیں:

واما المرجان فانه صنع حيوانات الصغيرة تصنعه من مواد كلية فتجعلها مساكن لها و تبنى تلك المساكن متلاصقة متلاهمة فتكون منها تلك الصخور على اختلاف صورها واشكالها.

مرجان چھوٹے چھوٹے جانوروں کی بنائی ہوئی چیز کا نام ہے جنہیں یہ رنگ کے مواد سے بناتے ہیں پھر اسی کو اپنا جائے مسکن بناتے ہیں۔ یہ گھر تو ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں مگر ان کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ پھر اس سے مختلف شکلوں اور

صورتوں کے مرجان (پتھر) بنتے ہیں۔

علامہ طنطاوی مزید لکھتے ہیں:

انبات المرجان انه حیوان اذا کنا قطعنا منه قطعة راینا کانه جسم حی و وجدنا فیه خاصیة النبات وخاصیة الحیوان ولذا سمیناه نباتا حیوانا

(ص 102 ج8)

جب یہ مرجان پھوٹتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حیوان ہیں اور جب ہم اس کا کوئی ٹکڑا کاٹتے ہیں تو ہمیں زندہ جسم کی طرح لگتا ہے، جب ہم نے دیکھا کہ اس میں جڑی بوٹیوں اور دیگر جاندار اشیاء کی خاصیات ہیں تو ہم نے اس کا نام جاندار بوٹی رکھ دیا۔

لہذا آپ کی پیش کردہ مثال صحیح نہیں ہے۔

قال ۔ اسی طرح انسان کا اس انسانیت میں رہنا جو تمہیں نظر آ رہی ہے کمال کی بات نہیں ہاں اگر اس پر وحی نازل ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم سیدھا اس کے پاس آئے اور پھر یہ ساری قوم کی رہنمائی کرے تو یہ کمال کی بات ہے۔ (صفحہ 13)

اقول ۔ یہ صفات تو نبی کی ہیں اور نبوت کا سلسلہ تو منقطع ہو چکا اور اختتام کمال تو ہے ہی نہیں کیونکہ ہمیں یہ دعا سکھلائی گئی ہے:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان 87)

اے ہمارے رب ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔

سیادت و امامت تو قیامت تک جاری رہے گی جو بنا کمال کے ممکن نہیں بلکہ حدیث میں مذکور ہے کہ:

کمل من الرجال کثیر، ولم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران، و آسیۃ امراۃ فرعون و فضل عائشۃ علی النسآء کفضل الثرید علی سائر الطعام (اخرجہ البخاری و مسلم من حدیث ابی موسی)

مردوں میں تو کتنے ہی کامل انسان گزرے ہیں مگر عورتوں میں عمران کی بیٹی مریم اور فرعون کی بیوی آسیہ کے علاوہ کوئی بھی کامل عورت نہیں گزری اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا تو آپ ﷺ کے بعد بھی کافی عرصہ تک زندہ رہیں، ان کے لئے کون سا کمال مانو گے؟ وگرنہ بصورتِ دیگر آپ کی یہ عبارت ابتدائے نبوت کو مقتضی ہے علاوہ ازیں یہ سوال ہی غلط ہے۔ انسان کا نبی ہونا باعث تعجب بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتنے ہی انبیاء کو مبعوث فرمایا ہے:

اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ (الحج 75)

بلکہ اس بارے میں متعجب ہونا کافروں کا کام ہے، جن کا ذکر خود قرآن میں موجود ہے:

اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنۡہُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَہُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ اِنَّ ہٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیۡنٌ (یونس 2)

کیا لوگوں کو تعجب ہوا ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈراؤ اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو کہ ان کے رب کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے۔ (ایسے شخص کی نسبت) کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگر ہے۔

آپ نے پتھر کے بڑھنے، درخت کے حرکت کرنے اور جاندار کے کلام کرنے کو تعجب انگیز انداز میں پیش کر کے انتہا کردی۔ لیکن یاد رکھنا کہ انسانوں میں نبی آنے پر تعجب کا اظہار صرف کفار نے کیا تھا حالانکہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ گذشتہ امتوں میں بھی رسول آئے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ (الانبیا5)

توجیسے پہلے (پیغمبر نشانیاں دے کر) بھیجے گئے تھے اسی طرح یہ بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لائے۔

اب آپ کے سامنے دو راستے ہیں، یا یہ کہو کہ نبوت اب بھی جاری ہے۔ (معاذ اللہ)۔ خود آپ کو رسالے کے مقدمے میں امام الوقت کہا گیا ہے، لہذا تم بخوشی رسول اللہ ﷺ کا میلاد مناؤ اور ان کی شان میں قصیدے پڑھو مگر ذرا غور کرنا کہ تمہارے ہی ایک بزرگ کیا فرماتے ہیں:

یعنی اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا بالفرض آپ کے بعد کوئی نبی فرض کیا جائے تو بھی خاتمیت محمد میں فرق نہیں آئے گا (تحذیر الناس ص 12 طبع دیوبند)۔

بالصورت دیگر یہ کہو کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد کوئی بھی انسان کامل نہیں ہوسکتا اور اپنی بیان کردہ مثال کو اپنی جیب میں رکھو۔

قال ۔ اماں آمنہ بیان کرتی ہیں (ان پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں) کہ بچے کے پیٹ میں آنے سے جس طرح ماں کو تکلیف اور بوجھ محسوس ہوتا ہے، حمل کے سارے عرصے میں مجھے کچھ بھی محسوس نہ ہوا (صفحہ 13)

اقول ۔ یہ بات کسی بھی معتبر روایت سے منقول نہیں ہے بلکہ ایک موضوع روایت پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے جو کہ طبقات ابن سعد ص 98 ج 1 طبع بیروت میں مندرجہ ذیل سند

سے مروی ہے:

قال اخبرنا محمد بن عمر بن واقد الاسلمی قال حدثنی علی بن یزید بن عبداللہ بن وھب بن زمعة عن ابیه عمن عمته قالت کنا نسمع ان رسول اللہ ﷺ لما حملت به آمنة بنت وھب..........

ابن سعد اپنے استاذ محمد بن عمر واقدی سے وہ علی بن یزید بن عبداللہ بن وھب بن زمعہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ آمنہ بنت وھب کے پیٹ میں تھے تو ہم نے یہ سنا تھا..........

یہاں ابن سعد کا استاذ محمد عمر واقدی ہے جو کہ مشہور کذاب راوی ہے واقدی کے بارے میں ائمہ محدثین اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:

قال الشافعی فی ما اسندہ البیھقی کتب الواقدی کلھا کذب و قال النسائی فی الضعفاء الکذابون المعروفون بالکذب علی رسول اللہ ﷺ اربعة الواقدی بالمدینة و قال ابو داؤد ما اشک انه کان یفتعل الحدیث ۔و قال بندار ما رایت اکذب منه۔ قال اسحاق بن راھویه ھو عندی ممن یضع۔ وحکی ابو العرب عن الشافعی قال کان بالمدینة سبع رجال یضعون الاسانید احدھم الواقدی۔ و عن ابی حاتم انه قال کان یضع و قال ابو زرعة الرازی و ابو بشر اللولابی والعقیلی متروک الحدیث (تھذیب التھذیب ص366-367 ج9)

امام شافعی، واقدی کی ان روایات کی بابت فرماتے ہیں کہ جو امام بیہقی نے اس کی سند سے بیان کی ہیں کہ یہ سب جھوٹی ہیں، امام نسائی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر جھوٹ باندھنے میں جو چار اشخاص مشہور ہیں ان میں سے ایک واقدی بھی ہے جو

مدینہ میں رہتا تھا۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خود حدیثیں گھڑتا تھا۔ امام بندار فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے جھوٹا شخص نہیں دیکھا۔ امام اسحٰق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ شخص ان لوگوں کی فہرست میں شامل ہے جو خود حدیثیں بناتے ہیں۔ ابو العرب، امام شافعی سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مدینے میں سات آدمی ایسے ہیں جو جھوٹی سندیں وضع کرتے ہیں اور واقدی ان میں سے ایک ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ وہ خود حدیثیں بناتا تھا، امام ابو زرعہ رازی، امام ابو بشر الدولابی اور امام عقیلی کے نزدیک واقدی متروک ہے۔

امام ذھبی میزان الاعتدال ص 115 پر امام ابن المدینی کا ایک قول نقل کرتے ہیں:

لا ارضاہ فی الحدیث و لا فی الانساب و لا فی شیء۔

کہ میں اسے بالکل پسند نہیں کرتا۔ نہ علم حدیث میں، نہ علم انساب میں اور نہ ہی کسی دوسری چیز میں۔

اور آخر میں امام ذھبی لکھتے ہیں:

استقر الاجماع علی وھن الواقدی (المیزان ص111 ج3)

واقدی کے (علم حدیث میں) کمزور ہونے پر اجماع ہے۔

نیز باقی راویوں کا کبھی کوئی پتہ نہیں، علاوہ ازیں "کنا نسمع" یہ جملہ روایت کے انقطاع اور جہالت سند پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ کس سے سنا؟

طبقات ابن سعد ہی میں مذکورہ روایت کی ایک اور سند بھی ہے۔

قال اخبرنا محمد بن عمر بن واقدی قال حدثنی محمد بن عبداللہ عن الزھری قال قالت آمنۃ علقت بہ فما وجدت لہ مشقۃ حتی وضعتہ۔

ابن سعد اپنے استاذ محمد بن عمر واقدی سے بیان کرتے ہیں کہ زہری نے کہا آمنہ کہا کرتی تھیں کہ جب میں حاملہ ہوئی تو بچہ جننے تک مجھے کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔

اس سند میں وہی واقدی کذاب اور وضاع ہے، اور امام زہری سے بی بی آمنہ تک سند بھی منقطع ہے ایسی مجہول اور بناوٹی روایت پر اعتبار کرنا اور اسے مسند وعظ پر بیان کرنا علماء کی شان نہیں ہے اور ایسی بناوٹی روایت کو جو قدرتی اور فطری نظام کے خلاف ہو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے؟

اس بارے میں قرآن مجید میں وارد ہے:

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا (الاحقاف: 15)

اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے جنا۔

تو جو قانون قرآن نے بیان کر دیا اس کے خلاف واقدی جیسے جھوٹے شخص کی بات کوئی وزن نہیں رکھتی۔

اللہ کے پیغمبر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم علیہا السلام، جس نے بغیر کسی مرد کے چھوئے بیٹا جنا، اس کے بارے میں قرآن کریم اس طرح بیان کرتا ہے:

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ (مریم: 23)

پھر دردِ زہ ان کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔

علاوہ ازیں ابن سعد نے ایک اور روایت بھی بیان کی ہے جو مذکورہ روایت کے بالکل برعکس ہے ملاحظہ ہو:

اخبرنا عمرو بن عاصم الكلابی اخبرنا همام بن يحيىٰ عن اسحاق بن عبدالله قال قالت ام النبی ﷺ قد حملت الاولاد كما حملت سخلة اثقل منه۔

اسحٰق بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ فرماتی تھیں کہ میں کئی بار حاملہ ہوئی ہوں مگر اس سے بھاری حمل کوئی نہیں تھا۔

یہ روایت بھی منقطع ہے اس کے علاوہ اس میں اور کوئی خرابی نہیں ہے مگر اس میں بیان کردہ مضمون ہر اس شخص کے خلاف ہے جو اس بات کو جھٹلاتا ہے۔

علامہ سیوطی الخصائص الکبریٰ ص 104 ج 1 میں یہی روایت کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

واخرج ابو يعلى و ابو نعيم و ابن عساكر عن شداد بن اوس ان رجلا من بنى عامر سأل رسول الله ﷺ ما حقيقة امرك؟فقال بدأ شانى انى دعوة ابراهيم و بشرى اخى عيسى و انى كنت بكر امى و انها حملت بى كاثقل ماتحمل النسآء و جعلت تشتكى الى صواحبها ثقل ما تجد.

سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ اپنے ابتدائی حالات کے بارے میں بتائیے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا اور اپنے بھائی عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔ (اور میری وجہ سے) میری ماں بوجھل ہوگئی جس طرح کہ حاملہ عورتیں بوجھل ہوجاتی ہیں اور گھر والوں سے اس تکلیف کی شکایت بھی کرتی تھی۔

تو اس قسم کا تعارض بھی واقعے کی اصل کو جعلی اور بناوٹی بنادیتا ہے۔

قال: اس وقت لوگ حصول برکت کے لئے کعبۃ اللہ شریف میں عورتوں کو لے جاکر زچگی کا عمل کراتے تھے۔ (صفحہ 38)

اقول: قصہ مذکورہ کا کہیں بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ نہ کسی حدیث میں اور نہ ہی تاریخ کی کسی معتبر کتاب میں مورخین کے ہاں تو یہ مشہور ہے کہ قبل از اسلام جاہلیت کے زمانے

میں ہفتے میں تین بار، پیر، جمعرات اور جمعہ کو بیت اللہ کو کھولا جاتا تھا۔ کما ذکر الفاسی فی العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین ص60۔ اور زچگی کا کوئی دن مقرر نہ تھا بلکہ مکہ شہر میں کتنے ہی بچوں کی پیدائش ہوتی ہوگی تو سب کو کس طرح وہاں لے جایا جاتا ہوگا جبکہ بیت اللہ تو بند رکھا جاتا تھا یہ باتیں حقیقت حال کے بالکل خلاف ہیں۔

قال: نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے نور کی اس قدر تیز شعائیں نظر آئیں کہ جنہوں نے در و دیوار کو روشن کر دیا اور ملک شام کے محلات صاف نظر آئے (ص32)

اقول: یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ علامہ سیوطی الخصائص الکبری ص 115 ج1 میں لکھتے ہیں:

کما روی ابن اسحق آمنة تحدث انها اتیت حین حملت فقال له انک قد حملت بسید هذه الامة وآیة ذلک ان یخرج معه نور یملا قصور بصری من ارض الشام فاذا وقع فیسمیه محمد.

ابن اسحق روایت کرتے ہیں کہ بی بی آمنہ بیان کرتی ہیں کہ زمانہ حمل میں مجھے خوشخبریاں دینے والے آتے رہتے تھے انہی میں سے ایک نے کہا کہ تمہارے پیٹ میں اس امت کا سردار ہے اور اس بات کی نشانی یہ ہے کہ وضع حمل کے وقت ایک نور نکلے گا جو ملک شام اور اس کے محلات کو روشن کر دے گا جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا۔

دیکھئے! یہاں نہ سند ذکر ہے اور نہ ہی کسی کتاب کا حوالہ لہذا یہ روایت بھی قابل اعتبار نہیں۔ ہاں مشکوۃ میں ایک صحیح روایت بایں الفاظ موجود ہے:

عن العرباض (رضی الله عنه) بن ساریة عن رسول الله ﷺ انه قال انی عند الله مکتوب خاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینته و سا خبرکم

باول امری دعوة ابی ابراهیم و بشارة عیسی و رؤیا امی التی رات حین وضعتنی وقد خرج لها نور اضاء لها منه قصور الشام (رواہ فی شرح السنۃ)

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کے ہاں اس وقت بھی خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب کہ آدم (علیہ السلام) ابھی گوندھی ہوئی مٹی میں تھے۔ میں تمہیں اپنی پیدائش کی ابتداء بتلاتا ہوں کہ میں ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا، عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔ میری والدہ نے دیکھا کہ جب میں پیدا ہوا تو ایک نور نکلا جس کی وجہ سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔

یہ روایت الخصائص الکبریٰ للسیوطی صفحہ 114 ج 1 میں بحوالہ احمد، بزار، طبرانی، حاکم، بیہقی، اور ابو نعیم مذکور ہے یہ روایت اس بارے میں فیصلہ کن ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے مگر صحیح روایات کو چھوڑ کر بے سروپا روایات بیان کرنا آج کل کے اکثر مولوی حضرات کا شیوہ بن چکا ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔ (آمین)

قال: ریز (rays) ایسے ہوتے ہیں کہ جس میں ہر چیز شفاف ہو جاتی ہے اس روایت کو تسلیم کرنے کے لئے صرف اتنے لفظ کافی ہیں (صفحہ 32)

اقول: صرف اتنا کافی نہیں ہے کیونکہ اس طرح تو صرف ان کا شفاف ہونا ممکن اور ثابت ہوتا ہے اور مکان وقوع کو مستلزم نہیں ہے وقوع کے لئے ثبوت درکار ہیں۔ وھو فی حین المنع رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی بھی ایسی بات منسوب نہیں کی جا سکتی کہ جس کا ثبوت نہ ہو بلکہ ہر چیز کی طرف اس وقت تک نسبت نہیں کی جا سکتی جب تک کہ اس کے لئے کوئی واضح اور قوی ثبوت نہ ہو۔

قال: ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ تھوڑی دیر کے لئے غائب ہو گئے تھے اس بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا اسوقت اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری کائنات کی سیر کروائی اور ساری کائنات کو میرے وجود کی زیارت کرائی (صفحہ 32)

نیز صفحہ 33 پر لکھا ہے کہ بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ جس وقت آپ پیدا ہوئے تو حالت سجدہ میں تھے اور انگلی اوپر اٹھائی ہوئی تھی کہ سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے۔ کسی اور کے لئے ہرگز نہیں۔

اقول: یہ ایک ہی روایت ہے جو علامہ سیوطی نے الخصائص الکبریٰ صفحہ 120 ج 1 طبع مصر میں بحوالہ ابونعیم ذکر کی ہے اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ صفحہ 221 پر مندرجہ ذیل سند سے ذکر کی ہے:

قال حدثنا سلیمان بن احمد ثنا عمرو بن محمد بن الصباح قال اثنا یحی بن عبداللہ البابلتی ثنا ابوبکر بن ابی مریم عن سعید بن عمر الانصاری عن ابیه قال ابن عباس فذکر الحدیث۔

قال: عبدالمطلب کا ایک غلام تھا جو عمر رسیدہ تھا اس نے عبدالمطلب سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ فرمایا بزرگوں سے حصول برکت کے لئے کعبۃ اللہ شریف جا رہا ہوں اور اس بچے کو ان کے قدموں میں ڈالوں گا (صفحہ 34-33)

اقول: یہ واقعہ کہیں بھی سند سے مروی نہیں ہے صرف سیرۃ ابن ہشام میں اس کا تذکرہ ملتا ہے اور وہ بھی بغیر سند کے چنانچہ ملاحظہ ہو۔

قال ابن اسحاق فلما وضعته امه ﷺ ارسلت الی جده عبدالمطلب انه قد ولد لک غلام فاته فانظر الیه فاتاه فنظر الیه و حدثته بما رات۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں وضع حمل کے بعد بی بی آمنہ نے آپ ﷺ کے دادا

عبدالمطلب کو خوشخبری بھیجی کہ آپکا پوتا پیدا ہوا ہے آپ آ کر اسے دیکھ لیں۔ چنانچہ عبدالمطلب بچے کو دیکھنے آئے تو بی بی آمنہ نے جو کچھ دیکھا تو انہیں بتلا دیا۔

قارئین کرام! غور کریں کہ نہ سند کا ذکر ہے اور نہ ہی ابن اسحٰق سے بی بی آمنہ تک کوئی واسطہ ہے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے السیرۃ النبوۃ صفحہ 205 پر یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن سند ندارد۔ اگر بالفرض اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تب بھی صاحب کتاب کا بیان کردہ واقعہ مبنی بر کذب ہے۔

قال: یہ جتنے بھی موجودات تمہیں نظر آ رہے ہیں یہ بات ضروری ہے کہ انہیں کبھی ایسے وجود کا ٹھکانہ حاصل ہو کہ جو کسی کا محتاج نہ ہو۔ (صفحہ 36)

اقول: ہر ایک کا مستقر (ٹھکانہ) الگ الگ ہے۔

وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا (هود: 6)

اس کے رہنے کی جگہ اور جہاں وہ سونپا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

مولانا صاحب نے یہاں ٹھکانہ اللہ کی ذات کو قرار دیا ہے حالانکہ وہ بے مثل اور بے نیاز ہے نہ اس کی اصل ہے اور نہ فرع اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے تو ایسے بادشاہ کے لئے جز بانان صریحاً کفر ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ جَعَلُوْا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ (الزخرف 15)

اور انہوں نے اس کے بندوں میں سے اس کے لئے اولاد مقرر کی بیشک انسان صریح ناشکرا ہے۔

قال: یہ جتنی بتیاں یہاں جل رہی ہیں یہ ضروری ہے کہ ان کا کوئی مرکز ہو جو کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو بلکہ بذات خود جلنے والا ہو۔ (صفحہ 36)

اقول: جس مالک الملک کی تعریف یہ ہو کہ "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" اس کے لئے بتوں کی

مثال دینا ہی غلط ہے نیز مرکزی چیز کو چلنے والا کہنا عین شرک ہے کیونکہ آپ نے اسے بھی واجب الوجود قرار دیا علاوہ ازیں مرکز کی مثال دے کر اللہ تعالی کی شان میں عجیب جسارت کا مظاہرہ کیا ہے لسان العرب صفحہ 355 جلد 5 میں ہے کہ:

ومرکز الجند محطھم الذی فیه رکزوا الرماح

لشکر کا مرکز ان کا وہ ٹھکانہ ہے جس میں وہ تیر گاڑتے ہیں (یعنی جمع کرتے ہیں)

اب بنظر انصاف دیکھ کر بتلائیں کہ یہ مثال اللہ کی شان میں کتنی زبردست گستاخی ہے اللہ تعالی کو مخلوق کا مرکز کہنا بدعتی عقیدہ ہے اہل اسلام کے عقیدے کے خلاف ہے اسلام کا عقیدہ تو یہ تھا:

قال الامام ابو عبدالله الحاکم فی معرفة علوم الحدیث ص 84 سمعت محمد بن صالح بن هانی یقول سمت ابابکر محمد بن اسحاق بن خزیمة یقول من لم یقربان الله تعالی علی عرشه قد استوی فوق سبع سموات فهو کافر بربه یستتاب فان تاب والا ضربت عنقه والقی فی بعض المزابل حیث لایتاذی المسلمون المعاهدون بنتن ریح جیفته و کان ماله فیئا لا یرثه احد من المسلمین اذا المسلم لا یرث الکافر کما قال ﷺ

امام محمد بن اسحق بن خزیمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس عقیدے کا اظہار نہیں کرتا کہ اللہ تعالی ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر مستوی ہے تو ایسا شخص اپنے رب سے کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ اب ایسے شخص سے توبہ کروائی جائے۔ اگر وہ (اپنے عقیدہ بد سے) توبہ کر لیتا ہے تو ٹھیک ہے وگرنہ اسے قتل کر دیا جائے اور اس کی لاش کو گندگی (اور غلاظت کے ڈھیر) پر پھینک دیا جائے تاکہ کسی (صحیح العقیدہ) مسلمان کو

اس کی سڑی ہوئی لاش کی بدبو نہ پہنچ سکے۔ اس کافر کی مال غنیمت سمجھا جائے اور کوئی بھی مسلمان اس کا وارث نہیں بن سکتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا۔

ایضاً مرکز تو خومحتاج ہوتا ہے اگر اس کی فرع نہ ہوتو اسے مرکز نہیں کہیں گے اب مولانا صاحب دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ مخلوق اللہ کی فرع ہے (نعوذ باللہ) اور اگر اللہ کو فرع کا محتاج کہیں گے تو پھر" کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ شَیْئًا" کا کیا مطلب ہوگا؟

قال: یہ جوتیاں تمہارے سامنے جل رہی ہیں فی الحال فرض کرلو کہ یہ جلنے کے بعد بذات خود جل رہی ہیں (صفحہ 36)

اقول: جب یہ ذاتی ہے ہی نہیں تو پھر ذاتی کس طرح سمجھیں؟ یہ آپ کا یونانی فلسفہ اور عقلیات ہے کہ ممکنات کو واجبات بناتے ہوا یک فرضی مثال سے اللہ تعالیٰ کا تعارف کرانا یہ کونسی معرفت الٰہی ہے؟ کیا نبی کریم ﷺ نے ایسا بتلایا ہے یا پھر آپ پر کوئی نیا الہام ہوا ہے؟

قال: وہاں سے کروڑوں کی تعداد میں نور کی شعاعیں (rays) پھوٹتی ہیں وہ شعاعیں روشنی کے انتہائی باریک ذرات پر مشتمل ہوتی ہیں اور وہ ذرے ہم تک پہنچتے پہنچتے فنا ہوجاتے ہیں مگر ان ذرات کے پیچھے ایسی زبردست امداد آرہی ہے کہ ان کا فنا ہونا محسوس نہیں ہوتا۔ (صفحہ 136)

اقول: یہ مثال آپ نے نور کے لئے دی ہے اور اس بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہو یہ سراسر غلط ہے کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے نور کی حقیقت یہی ہے کہ ذرے فنا ہورہے ہیں اور ان کے پیچھے مزید ذرات چلتے آرہے ہیں (معاذ اللہ)

قال: اگر ہمارا وجود ہمیشہ باقی رہتا تو آج جس اسٹیج (stage) پر ہم بیٹھے ہوئے ہیں یہ ہمیں نہ

ملتا، اسٹیج خالی تھا جس پر ہم آ کر بیٹھے ہیں اس کا معنی یہ کہ ہمارے وجود کو اس بابرکت ذات کے وجود سے نوری شعاعیں اور ذرات ملتے رہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ہمارا وجود برقرار رہے اگر ان کے آگے پردہ آ جائے تو ہمارا وجود ختم ہو جائے (36-37)

اقول: ایک طرف کہہ رہے ہو کہ نوری ذرات ملنے کی وجہ سے ہمارا وجود ہمیشہ بحال ہے اور دوسری طرف یہ بھی کہہ دیا کہ ہمارا وجود ختم ہو جائے معلوم نہیں کہ آپ کی کونسی بات سچی ہے؟ پہلی یا دوسری؟ یا پھر دونوں ہی جھوٹی اور قابل رد ہیں کیونکہ آپ ہی کے بزرگ یہ قانون بنا گئے ہیں" **اذا تعارضا تساقطا**"

متذکرہ عبارات میں مندرجہ ذیل باتیں قابل اعتراض ہیں:

اولاً: ذات باری تعالیٰ کے وجود سے ذرات ہم تک آتے ہیں یہ مسئلہ قرآن میں ہے یہ حدیث میں، سلف صالحین میں سے کسی نے بتایا یا صرف آپ ہی کی طرف القا ہوا ہے؟

يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا. (الانعام: 112)

وہ دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔

ثانیاً: اگر اللہ تعالیٰ کے نوری ذرات یہاں آتے ہیں تو پھر انہیں مخلوق اور حدث کہیں گے تو گویا آپ کا خدا متجزی یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا (سبحان اللہ عما یصفون)

ثالثاً: اللہ تعالیٰ کے لئے جسم بھی ثابت کیا گیا ہے۔

رابعاً: بتی کی شعاعوں کی مثال دی گئی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ذرات فانی ہوتے ہیں۔ پھر اللہ کی صفات بلکہ ذات تک کو بھی فانی کہہ رہے ہو (نعوذ باللہ)۔

خامساً: اگر یہ کہو گے کہ اس نور سے مراد ہدایت کا نور ہے سو وہ تو اتر چکا ہے، وحی منقطع ہو چکی ہے اور نبوت کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہے اگر آپ نبوت کے جاری رہنے اور نور کے نازل ہونے کے قائل ہیں تو پھر کوئی فرق نہیں پڑتا جو چاہے کہتے رہو۔

سادساً: وہ کونسا ایسا پردہ ہے جو اللہ کے نور کے آگے بند باندھتا ہے اور اللہ کے نور کو قبض کیسے کیے ہوئے ہو؟

سابعاً: امام محمد بن اسحٰق بن خزیمہ رحمہ اللہ کتاب التوحید میں فرماتے ہیں:

قال الامام ابن خزیمۃ فی کتاب التوحید ص 75 قال اللہ تعالی لما سالہ کلیمہ موسی علیہ السلام ان یرید ان ینظر الیہ قَالَ لَنْ تَرَانِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ الی قولہ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا ولو لیس العلم محیطا بالمخلوقات ویکون اللہ فی کل موضع و مع کل بشر و خلق کما زعمت المعطلۃ لکان متجلیا لکل شئی و کذلک جمیع ما فی الارض الی ان قال لجعلھا دکا کما جعل اللہ الجبل الذی تجلی لہ دکا قال اللہ تعالی فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا۔

"جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کہا کہ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو اللہ نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے پھر جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو (انوار ربانی نے) اسے ریزہ ریزہ کر دیا" اگر اللہ کا علم تمام مخلوقات پر محیط نہ ہوتا اور اللہ ہر جگہ اور ہر مخلوق کے ساتھ (حاضر) ہوتا جیسا کہ فرقہ معطلہ کا یہ عقیدہ ہے تو اللہ کی تجلی ہر چیز پر ہوتی اور زمین پر جو کچھ ہے وہ تجلی انوار ربانی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

اب بتلائیے کہ ان نوری ذرات کے گرنے کے باوجود یہ دنیا وما فیہا کیسے سلامت ہے؟

ثامناً: یہ عقیدہ مناسخ کا ہے کہ اس اسٹیج پر ایک وجود فنا ہو جاتا ہے اور دوسرا وجود ظاہر ہو جاتا ہے اور نور کے ذرات سے ہمارا وجود بحال ہے۔ یہ تو ہندوؤں کا عقیدہ ہے جسے

مولوی صاحب نے انسانیت کی رہنمائی کے لئے پیش کیا ہے۔

قال: ایک ایسی ذات کہ جس سے ہزاروں کی تعداد میں روشنی کے ذرات وجود عالم پر گر رہے ہوں اسے تسلیم کرنا ہمارے لئے ضروری ہے وگرنہ اس روشنی کا انکار کرنا پڑے گا ایسی ذات کا نام اللہ ہے۔(صفحہ37)

اقول: جس روشنی کی آپ بات کر رہے ہیں وہ تو مخلوق ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ۔ (الانعام:1)

ہمہ اقسام کی تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرا اور روشنی بنائی پھر بھی کافر اور چیزوں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

کیا روشنی کو تسلیم کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ اس کے ایسے مرکز کو مانا جائے جو بے بنیاد ہو، اور النور تو اللہ تعالی کے اسماء الحسنی میں سے ہے مگر سلف صالحین میں سے کسی نے

1۔ بعض یونانی فلاسفروں نے یہ تصور دیا تھا کہ انسان مرنے کے بعد پھر اسی دنیا میں کسی نہ کسی شکل میں واپس آجاتا ہے اور آنے جانے کا یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہتا ہے۔انہی سے یہ تصور ہندوؤں نے مستعار لیا اور ان کے دھرم کا بنیادی جزو بن گیا۔آواگون اسی عقیدے کا پیدا کردہ چکر ہے اس عقیدے کی رو سے انسان اپنے اعمال کا پھل لینے کے لئے پھر اس دنیا میں آتا ہے کبھی انسان کی شکل میں تو کبھی حیوانات کی صورت میں۔بدھ مت کی رو سے بھی انسان انہی چکروں میں رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنے آپ کو فنا نہ کر دے یعنی اپنی ہستی کو ختم نہ کر ڈالے۔یہ نروان ان کی زندگی کا منتہی ہے۔یہ ہے عقیدہ تناسخ جسے بڑے فخر سے انسانوں کی رہنمائی کے لئے بیان کیا جا رہا ہے۔اگر مولانا صاحب کا طریق اثبات و استدلال یہی ہے تو پھر شریعت کا خدا حافظ اور علم و عقل کو ہمیشہ کیلئے الوداع۔

چشم اگر ایں است، ابرو ایں، ناز و عشوہ ایں
الفراق اے ہوش و تقوی، الوداع اے عقل و دیں

بھی اس کا یہ معنی ہرگز بیان نہیں کیا کہ اس کے نوری ذرات زمین پر گرتے ہیں اس عبارت کے بعد مزید لکھتے ہیں:

قال: ہمارے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے پھر دوسرے وجود ظاہر ہوتے ہیں تو جس طرف روشنی ہوگی یہ مرید کی ایک تجلی ہے (صفحہ 37)

اقول: اس تجلی سے کیا مراد ہے اور مرید کسے کہہ رہے ہو؟ اگر مرید سے مراد اللہ ہے (جیسا کہ صفحہ 38 پر لکھا ہے کہ مرید کی تجلی آئی تو دل میں ارادہ آیا) تو پھر اللہ کی تجلی کو کونسی چیز روکنے والی ہے؟ تم خود کہہ رہے ہو کہ ریز (rays) یعنی ذرات اس قدر شفاف ہوتے ہیں کہ ہر چیز شفاف ہوجاتی ہے (صفحہ 32) تو ذرات میں اس قدر طاقت ہے مگر اللہ کی تجلی میں کوئی طاقت اور پاور نہیں ہے؟

پتہ نہیں کہ کیا کہہ رہے ہو نہ سر ہے نہ پاؤں۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم

گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

قال: ہم جو کانوں سے سنتے ہیں، ہماری یہ قوت ذاتی نہیں کیونکہ جب وہ وجود کا ڈھانچہ ہی ذاتی نہیں تو طاقت اور صلاحیتیں کس طرح ذاتی ہوسکتی ہیں (صفحہ 37)

اقول: یہ انکا مذہب ہے جو عقیدہ حلول کے قائل ہیں یہ لوگ ہر فعل کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں ذرا بتلایئے کہ ان صلاحیتوں اور طاقتوں سے ظہور شدہ افعال کے اثرات کو کیا کہیں گے؟ اگر کوئی ظلم کرتا ہے یا کسی سے ناجائز زبردستی کرتا ہے یا زنا بالجبر کا ارتکاب کرتا ہے تو کیا یہ فعل اللہ کا ہوگا؟ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے آپ کے ایک بزرگ تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ:

ایک مؤحد سے لوگوں نے کہا کہ اگر حلوہ وغلیظ ایک ہیں تو دونوں کو کھاؤ۔ انہوں نے بشکل

خنزیر ہوکر گوہ کھایا، پھر بصورت آدمی ہوکر حلوہ کھایا۔ اس کو حفظ مراتب کہتے ہیں۔(شمائم امدادیہ صفحہ 75)

اگر کوئی کسی خوبصورت کو اس نیت سے دیکھے کہ اس کا یہ حسن ذاتی نہیں ہے بلکہ یہ حسن تجلی کا اثر ہے تو اس پر کوئی فتوی تو نہیں لگاؤ گے؟ اپنے ایک بزرگ کا فرمان ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں:

عورت مظہر مرد کی ہے اور مرد مظہر حق کا ہے، عورت آئینہ مرد کی ہے اور مرد آئینہ حق، پس عورت مظہر و آئینہ حق تعالی ہے اور اس میں جمال ایزدی ظاہر و نمایاں ہے، ملاحظہ کرنا چاہیئے۔(شمائم امدادیہ صفحہ 70)

یہ وہی باطنی علم ہے جو آپ کو میراث میں ملا ہے کہ جس کے بارے میں صوفی حضرات یہ کہتے ہیں:

میان عاشق معشوق رمز یست
کراما کاتبین راہم خبر نیست

قال۔ کلیم کی تجلی کا اثر زبان پر پڑا تو بولنے لگی۔(صفحہ 38)

اقول۔ کلیم "اللہ" کی صفت نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو "کلیم اللہ" کہا گیا ہے، اور لسان العرب صفحہ 524 جلد 12 میں مذکور ہے کہ **کلیمک الذی یکالمک و فی التهذیب الذی تکلمه و یکلمک یقال تکلیما و کلاما**

قال۔ جب حکم درخت کو ہو تو درخت بولے:

اِنِّیٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی (طٰہٰ 12،11)

جب وہاں پہنچے تو آواز آئی کہ موسیٰ! میں تو تمہارا پروردگار ہوں، اپنی جوتیاں اتار دو تم یہاں پاک وادی یعنی طوی میں کھڑے ہو۔

فَلَمَّا جَآءَ ھَا نُوْدِیَ اَنْ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَھَا وَ سُبْحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ یٰمُوْسٰٓی اِنَّہٗٓ اَنَا اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (النمل: 9,8)

جب موسیٰ (علیہ السلام) اس کے پاس آئے تو آواز آئی کہ وہ جو آگ میں (تجلی دکھاتا) ہے بابرکت ہے اور وہ جو آگ کے اردگرد ہے، اور اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے پاک ہے۔ اے موسیٰ میں ہی اللہ غالب دانا ہوں۔

فَلَمَّآ اَتٰھَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیءِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَۃِ الْمُبٰرَکَۃِ مِنَ الشَّجَرَۃِ اَنْ یّٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (القصص 30)

جب اس کے پاس پہنچے تو وادی کے داہنے کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت سے آواز آئی کہ موسیٰ میں تو اللہ رب العالمین ہوں۔

مولوی صاحب نے جس طرح یہ واقعہ بیان کیا ہے ان الفاظ سے قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے۔

دوبارہ قرآن کریم کھول کر دیکھ لے یا حفاظ کرام سے پوچھ لے۔ جس طرح قرآنی الفاظ میں تحریف کی ہے ویسے ہی معنوی تحریف کا ارتکاب بھی کیا گیا ہے۔ اللہ کے کلام کو مخلوق کا کلام کہنا مسلمانوں کا عقیدہ نہیں بلکہ کفار کا عقیدہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

فَقَالَ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۔ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۔ سَاُصْلِیْہِ سَقَرَ

(المدثر 26,25,24)

پھر کہنے لگا کہ یہ تو جادو ہے جو (اگلے جادوگروں سے) منقول ہوتا آیا ہے، یہ (اللہ کا کلام نہیں بلکہ) بشر کا کلام ہے، ہم عنقریب اسے سقر میں داخل کریں گے۔

کلام الٰہی کے بارے میں یہ کہنا کہ "درخت بولے" یہ انتہائی غلط ہے۔ کیا درخت اس طرح کہہ سکتا ہے؟ اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ، اَنَا رَبُّکَ، اَنَا اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرشتوں اور انبیا علیہم السلام کے بارے میں یہ فرما رہا ہے:

وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ (الانبیا 29)

اور ان میں سے جس نے یہ کہا کہ اللہ کے سوا میں بھی معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

تو درخت یہ بات کس طرح کہہ سکتا ہے؟ اور تعجب ہے سننے والا موسیٰ علیہ السلام ہے، اگر درخت اس طرح کہتا تو اللہ کا پیغمبر اس پر خاموشی اختیار نہ کرتا۔

کیونکہ جب فرعون نے یہ دعویٰ کیا " **اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى**" تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا مقابلہ کیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے فرعون کو مع لشکر غرقاب کر دیا۔

تو جب درخت اس طرح کہتا تو موسیٰ علیہ السلام ضرور سمجھ جاتے کہ یہ آواز شیطان کی ہے جو مجھے گمراہ کرنا چاہتا ہے اور اس درخت کو جڑ سے اکھیڑ دیتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ با ادب کھڑے ہو کر اس آواز کو سنا اور ایمان لے آئے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام اللہ رب العرش العظیم کا تھا۔ اس کے بعد بھی چند باتیں مزید مذکور ہیں ملاحظہ ہوں:

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى (طٰہٰ 13)

اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے۔ تو جو حکم دیا جائے گا اسے سنو۔

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ (القصص 32)

یہ دو دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے ہیں انہیں لے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جاؤ۔

کیا یہ کلام بھی درخت کا تھا؟ اور خاکم بدہن موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نہیں بلکہ اس

درخت کے پیغمبر تھے؟ (معاذ اللہ)۔

یہ ہے تمہارا باطنی علم، اللہ اور اس کے رسولوں کی عزت کا اچھا خیال رکھتے ہو، ایسا کہنے میں تمہارا کوئی قصور نہیں کیونکہ تمہارے بزرگ یہ فرما گئے ہیں:

تمام عالم کے اعیان ثابت تھے، باعتبار باطن قدیم ہیں اور باعتبار ظاہر حادث۔ (ناواقف) کہتے ہیں کہ مذہب صوفیہ مثل دہریوں کے ہے، یہ غلط محض ہے۔ صوفیہ باعتبار باطن (معنی) قدیم کہتے ہیں، بخلاف دہریہ کے کہ باعتبار اس صورت (موجودہ عالم) ظاہری کے قدیم کہتے ہیں۔ فرمایا کہ اِنِّی اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ جو طور پر آواز آئی تھی، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے باطن سے آئی تھی، سب انسانوں میں موجود ہے۔ (شمائم امدادیہ صفحہ 59)

بقول

جسے نواسہ سمجھا وہ نانا نکلا

تم نے تو موسیٰ علیہ السلام کے بجائے اس کلام کو درخت کا بولنا کہا ہے۔ علاوہ ازیں تم تمام موجودات کے قدیم ہونے کے قائل ہو اپنے دل میں خطرۂ دہریت محسوس کرتے ہو مگر پھر بھی علم باطنی اور علم ظاہری میں تاویل کر کے فرق کرتے ہو اور باطن کا سہارا لیتے ہو۔ جبکہ الباطن تو اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں سے ہے تو پھر یہ بات تعجب انگیز نہیں کہ تم موجودات کو اللہ تعالیٰ کی صفت باطن میں شریک کرتے ہو۔

قال۔ علیم کی تجلی نے دماغوں میں علم دیا۔ کلیم کی تجلی نے زبان میں اثر دیا، مرید کی تجلی نے دل میں ارادہ ڈالا، قدیر کی تجلی نے بدن میں قوت ڈالی، حی کی تجلی نے ہمیں زندہ بنایا، وہی سمیع وہی بصیر وہی علیم وہی حی وہ مرید اور وہی قدیر ہے۔ اسی کے اثرات ہم پر وارد ہوئے

(صفحہ 38)

اقول ۔ یہ وہی وجودیوں والا عقیدہ ہے۔ علم کے معنی جاننا ہے، تو جو لوگ ان پڑھ اور جاہل ہیں کیا اسے بھی علیم کی تجلی کہیں گے؟ **نعوذ باللہ من ذلک** اس کے علاوہ کلماتِ کفریہ و شرکیہ اور گالیاں وغیرہ بھی تجلیات الہیہ کا اثر کہلائیں گی؟ اللہ کو کلیم کہہ کر دوسروں کا محتاج بنایا ہے اور ارادے اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی، کیا یہ بھی تجلی ہی کی برکات ہیں؟ انسان میں خواہشیں بھی ہوتی ہیں مثلاً بھوک پیاس وغیرہ۔

انسان میں نقص بھی ہوتا ہے اور عیب بھی، یہ کونسی تجلی ہے؟ اگر کہو گے کہ یہ تجلی اللہ تعالیٰ کی ہے تو پھر نعوذ باللہ، اللہ کی تجلی ناقص اور عیب دار ٹھہرے گی۔ اور اگر یہ کہو کہ یہ تجلی کسی اور کی ہے تو پھر شرک لازم آئے گا۔ یعنی اللہ کی تجلی کے ساتھ ساتھ دوسروں کی تجلی بھی ہم پر ظاہر ہوتی ہے؟ علاوہ ازیں اندھے بہرے، مجنون اور ضعیف و کمزور کے بارے میں کیا خیال ہے؟

قال ۔ ہم اس ذات صاحب کائنات کو کچھ بھی نہیں دے سکتے ہمارے پاس ہے ہی کیا جو اسے دیں؟ فرش تا عرش ساری کائنات اسی کی پیدا کردہ ہے تو ہم کونسی چیز اٹھا کر اسے دیں۔ اور تو پھر کچھ بھی نہیں۔ فقط ہمارا سر ہی ہے اس زمین پر جھکا سکتے ہیں اور تو کچھ بھی نہیں دے سکتے یہی دے سکتے ہیں اور کیا دیں؟ (صفحہ 39)

اقول ۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بطور تاوان وہ چیز دینی ہے جو اس کی پیدا کردہ نہ ہو۔ کیا یہ تمہارا ایمان ہے جس کی تلقین کر رہے ہو؟ کیا یہ سر جسے محض اور فقط کہہ رہے ہو کیا یہ سر اللہ کا پیدا کردہ اور عطا کردہ نہیں ہے؟ بات یہ ہے کہ تمہارا بنایا ہوا یہ قاعدہ ہی غلط ہے کیونکہ ہم جو کچھ دیں گے (یعنی خرچ کریں گے) اس کے عطا کردہ ہی سے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرۃ 3)

اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ (الحدید7)

اور جس مال میں اس نے تمہیں وارث بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ (الذاریات56)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

ہمارا سارا وجود اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے تو پھر عبادت بھی اسی عطائی وجود سے کرتی ہے،

رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا یہ الفاظ منقول ہے:

رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ

(مشکوۃ باب الدعا فی التشھد فصل دوئم)

اے اللہ مجھے اپنا ذکر، شکر اور اچھی عبادت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام یہ دعا مانگتے تھے:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ (النمل19)

اے پروردگار مجھے توفیق عنایت کر کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

تو عبادت محض اس کی توفیق اور عنایت ہی سے ممکن ہے۔ مقرر صاحب اس بات سے آزاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ہے ہی کیا جو اس کے حضور پیش کریں ہر چیز تو اسی کی پیدا کردہ ہے باقی صرف یہ سر ہے سوائے زمین پر رکھتے ہیں۔

قارئین کرام! بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیے کہ یہ راستہ معرفت الٰہی کا ہے یا دہریت کا؟

اور عبادت کی جتنی بھی قسمیں ہم بجا لاتے ہیں یہ بھی اللہ عز کا احسان ہے، وہی عمل کی توفیق مرحمت فرماتا ہے۔ یہی بات قرآن مجید اس طرح بیان کرتا ہے:

یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ (الحجرات17)

یہ لوگ تم پر احسان جتلاتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں، کہہ دو کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ جتلاؤ؛ بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ دکھلایا۔

اور سر جسے آپ محض اور فقط کہہ رہے ہو یہ بھی تو اسی کا عطا کردہ ہے اور ہم جو اسے زمین پر رکھتے ہیں یا سجدہ کرتے ہیں یہ بھی اسی کی مہربانی اور عنایت کا نتیجہ ہے، مگر شاباش ہو مقرر صاحب کو جو اللہ کے اس احسان سے بھی آزاد کر دیا ہے اور اسے محض اور فقط کہہ کر اس کی اہمیت کو ختم کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ عظیم نعمت ہے جس سے ہم قرب الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثرو الدعاء اخرجہ مسلم من حدیث ابی ھریرۃ (مشکوۃ باب السجود الفصل الاول من کتاب الصلاۃ)

انسان حالت سجدہ میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے، پس سجدہ میں کثرت سے دعا کیا کرو۔

قال ۔ اگر کوئی اول تا آخر خدا کے وجود کا انکار کرنے والا ہوتا تو اب تسلیم کرتا۔ (صفحہ 39)

اقول ۔ یہ آپ کا ہمہ اوست والا عقیدہ ہے جس کی بنیاد دہریت پر رکھی ہوئی ہے جیسا کہ اوپر آپ کی گوہر افشانی سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کیا یہ دعویٰ قرآن و حدیث میں ہے؟ جو بھی عقل سلیم کے ساتھ قرآن و حدیث کا مطالعہ کرے گا اسے ان عقائد سے خلاصی حاصل

کرنے کے سوا اور کوئی بھی راہ نہیں سوجھے گی۔

قال معنی یہ ہوا کہ اللہ کے سوا اور کوئی بھی نہیں کہ جس کے حضور میں کچھ پیش کرو۔

اس ذات کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں ہے **لا الہ الا اللہ** کا یہی معنی ہے (صفحہ 40)

اقول ۔ ''اس کی ذات کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں ہے'' کلمہ طیبہ کا یہ معنی وجودی کرتے ہیں۔ اگر دوسرا کوئی بھی وجود نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے کسے پیدا کیا ہے اور خالق کس کا ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ شرک کی تردید میں جتنی بھی آیتیں ہیں وہ سب لغو اور بے معنی ہیں کیونکہ جب اللہ کے سوا کوئی اور چیز ہے ہی نہیں تو پھر شراکت کس بات کی؟ بلکہ کسی کے شرک کرنے کا کوئی خطرہ بھی نہیں۔

علاوہ ازیں کلمہ طیبہ میں حرف'' **اِلّا** '' غیر کے معنی میں ہے۔ دیکھئے **الھامیۃ شرح ھدایۃ النحو** صفحہ 158 ۔ اس کا صحیح معنی یہ ہوگا کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی بھی الٰہ نہیں ہے، اور یہ معنی یقیناً غلط ہے کہ'' اللہ کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں ہے'' وجودی حضرات اس طرح معنی کر کے اللہ اور مخلوق کو ایک بناتے ہیں **نعوذ باللہ من ذالک**۔

قال ۔ یہ مراد جو تسلیم کرائے وہ بڑی شخصیت کہلائے گا اور ہمیں یہ مراد محمد رسول اللہ ﷺ نے تسلیم کرائی ہے۔ (صفحہ 40)

اقول ۔ رسول اللہ ﷺ نے وہی مراد سمجھائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل 44)

اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے تاکہ جو ارشادات لوگوں کے لئے نازل ہوئے ہیں وہ انہیں بیان کردو۔

مگر جو مراد تم بیان کر رہے ہو آپ ﷺ نے وہ بیان نہیں کی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

من قال لا الہ الا اللہ و کفر ما یعبد من دون اللہ حرم مالہ و دمہ و حسابہ علی اللہ (صحیح مسلم مع النووی ص 37 ج1)

جس نے اس بات کا اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ کے علاوہ جس کی بھی عبادت کی جاتی ہے اس کا انکار کیا تو اس نے اپنا مال اور اپنی جان محفوظ کر لی۔ اس کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔

مذکورہ حدیث سے کلمہ طیبہ کی مراد ظاہر ہو رہی ہے کہ غیر اللہ کی پوجا سے انکار کی صورت میں ہی توحید مکمل ہوتی ہے اور غیر کی عبادت سے انکار اس کے وجود کو مستلزم ہے۔ ورنہ کسی ایسی چیز کی کہ جس کا عالم میں کوئی وجود ہی نہ ہو عبادت سے انکار چہ معنی دارد۔ اس لئے تم صوفی حضرات جو مراد لیتے ہو اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نہیں بلکہ کسی اور ذریعے سے تمہیں سمجھائی گئی ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ

(الانعام112)

اور اسی طرح ہم نے شیطان سیرت انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا وہ دھوکہ دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو ان کو اور جو کچھ یہ افترا کرتے ہیں اسے چھوڑ دو۔

قال۔ لولاک لما خلقت الافلاک کا یہی مفہوم ہے۔

اقول۔ یہ صوفیوں کی بری عادت ہے کہ وہ کار ثواب سمجھے ہوئے ہیں اپنی طرف سے حدیثیں وضع کرتے ہیں۔ علامہ السیوطی الفیۃ الحدیث صفحہ 24، 25 پر لکھتے ہیں:

وشرهم صوفية قد وضعوا محتسبين لاجر فيما يدعوا

یہ روایت **لولاک لما خلقت الافلاک** بھی صوفی حضرات کی خود تراشیدہ ہے، اہل علم نے اس کے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے۔ سب سے پہلے تمہارے فقیہ علامہ علی القاری نے **موضوعات** کبیر صفحہ 59 پر اسے **موضوع** کہا ہے، علاوہ ازیں **موضوعات** صغیر صفحہ 22 پر بھی اسے **موضوع** مانا ہے۔

اسی طرح کشف الخفاء صفحہ 164، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ صفحہ 326 اور تذکرہ الموضوعات صفحہ 86 وغیرہ میں بھی اس کو موضوع کہا گیا ہے۔ یہ ایک جھوٹی روایت ہے جو مولانا صاحب نے بیان کی ہے۔ لہٰذا ھباء منثورا ہوگئی۔ **والحمد لله على ذالک**

قال۔ علم کی انتہا وہاں تک پہنچے تو وہ علیم ہے ہم یہاں پر تمام لوگوں کو دیکھتے ہیں ہماری نظر روشنی کے ساتھ پڑتی ہے لیکن جب ہماری نظر اسی بتی پر نہ پڑی تو ہم نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ (صفحہ 41)

اقول۔ یہ مثال بھی غلط ہے کیونکہ کتنے ہی آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کی نظر کمزور ہوتی ہے، وہ بلب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ بھی نہیں سکتے مگر دیگر چیزیں انہیں بآسانی نظر آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ روشنی کے بغیر بھی دکھلا سکتا ہے۔ کتنے جانور ایسے ہیں جو رات کے اندھیرے میں سب کچھ دیکھتے ہیں مگر دن کے اجالے میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔

قال۔ جس شخص کی نظر اس بتی پر نہ پڑی محض بیٹھا ہوا دیکھتا رہا کیا وہ صاحب نظر ہے؟ یقیناً نہیں ہے۔ (صفحہ 41)

اقول۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی مثالیں دینا باطنی علم والوں کا شیوہ ہے، کیا بتلا سکتے ہو کہ اس قیاس میں کونسی مقارنت نظر آ رہی ہے اور کونسی علت مشترک سمجھ میں آ رہی ہے؟

قال۔ جس کی نظر اللہ پر نہ پڑی نہ خالق کائنات پر تو اس کی نظر کسی پر نہ پڑی یعنی اس نے کچھ بھی نہ دیکھا (صفحہ 41)۔

اقول۔ اس سے مراد حقیقی نظر ہے یا کوئی اور چیز؟ اگر اس سے مراد حقیقی نظر ہے تو دہریے جو وجود باری تعالیٰ کے منکر ہیں انہیں کائنات کی چیزیں کس طرح دکھلائی دے رہی ہیں؟ اور اگر اس سے مراد تمہاری باطنی نظر ہے تو بقول تمہارے یہ بصیرت تو ہر کسی حاصل نہیں ہے تو پھر اسے تمہاری بیان کردہ مثل کس طرح سمجھ آئے گی؟ اور بتلا سکتے ہو کہ معرفت الٰہی کا یہ طریقہ کہاں سے آیا ہے؟ وحی الٰہی، قرآن وحدیث میں تو یہ بات مذکور نہیں ہے، شاید شیطانی وحی کے ذریعے یہ بات آئی ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق انسان ان آنکھوں سے رب العالمین کا دیدار نہیں کرسکتا۔ تو پھر کیا تمہاری بات سچی ہے یا رسول اللہ ﷺ کی؟ ہمارا تو ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بات سچ ہے اور تم جھوٹے ہو، تمہاری معرفت جھوٹ کی بنیاد پر استوار ہے۔

قال۔ دوست! تو نے کائنات میں سب کچھ دیکھا لیکن خالق کائنات کہ جس نے یہ بتی جلائی ہے، جس نے تجھے روشنی دی ہے، تیری نظر نہ پڑی تو تو نے کچھ نہ دیکھا بلکہ تم بیکار ہو (صفحہ 42)۔

اقول۔ یہ دید بھی تم جیسے اہل معرفت کے ہاں ہے۔ تمہارے ایک بزرگ فرماتے ہیں:
میں مراقبہ میں تھا، سیدنا جبرئیل وسیدنا میکائیل علیہما السلام کو بغایت جلال ملکانی و نہایت جمال نورانی سنبل کاکل سیاہ کندھوں پر ڈالے ہوئے اور سبزہ اگا ہوا دیکھا

(شمائم امدادیہ صفحہ 10)

رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو پہلی بار دیکھا تو خوف کی وجہ سے چادر اوڑھ کر لیٹ گئے اور فرما رہے تھے" زملونی، زملونی" مجھے چدر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ اس بات کی صراحت صحیح بخاری، باب بدء الوحی میں مذکور حدیث میں ہے۔ باقی اہل معرفت جب چاہیں اور جس کا چاہیں دیدار کرسکتے ہیں حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ (الانعام 9)

اور اگر ہم کسی فرشتے کو بھیجتے تو اسے مرد کی صورت میں بھیجتے اور جو شبہ اب کر رہے ہیں اسی شبہے میں پھر انہیں ڈال دیتے۔

اور جن چیزوں کو تم نے بطور مثال پیش کیا ہے بتیاں یا کائنات کی دیگر چیزیں یہ تو سب عابد ہیں۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (الاسراء 44)

اور مخلوقات میں سے ہر چیز اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (النور 41)

اور سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں۔

معبود صرف ایک اللہ ہے، آپ نے معبود کے لئے عابد کی مثال پیش کر کے دونوں کو ملا دیا ہے اور یہی اہل معرفت کا مسلک ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں آپ کے بزرگ کیا کہہ رہے ہیں:

عابد و معبود میں فرق کرنا شرک ہے (شمائم امدادیہ ص 34)۔

بلکہ آپ کی بیان کردہ مثال کے مطابق بلب پر تو ہر اچھے اور برے شخص کی نظر پڑ سکتی ہے شمائم

امداد یہ ہی میں مذکور ہے:

ایک شخص نے بیان کیا کہ ایک بزرگ کہتے تھے کہ تمام آدمی کیا مشرک، کیا کافر، کیا مؤمن، سب کو خدا کی رسائی ہو سکتی ہے اسلام شرط نہیں ہے ارشاد فرمایا کہ یہ بزرگ باوجود کمال کے سیر اسماء میں تھے، البتہ مرتبہ حقائق میں یہ درست ہے، کیونکہ مرجع تمامی خلائق اللہ تعالیٰ جل شانہ ہے۔(شمائم امدادیہ: 41)

قال: "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کو اپنے نور سے منور کرنیوالا ہے نور السموت والارض ۔منور السموات والارض (ص: 42)

اقول: "اپنے نور سے" یہ جملہ کس قرآنی آیت کا ترجمہ ہے؟ کائنات اللہ کے نور سے بنی ہے، یہ تو صوفیاء کا مذہب ہے آپ نے ضرور "سندھی نور نامہ" پڑھا ہوگا جس کا اثر اس تقریر میں بھی نظر آ رہا ہے مذکورہ آیت میں نور ہدایت مراد ہے اور یہی معنی سلف صالحین اور مفسرین نے بیان کیا ہے۔(دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص 389 ج 3)

اور یہی معنی آپ کے بزرگ ابو البرکات نسفی تفسیر مدارک صفحہ 144 ج 3 میں کرتے ہیں نیز امام بیہقی کتاب الاسماء والصفات صفحہ 61-62 طبع ہند میں فرماتے ہیں:

قال الحليمي و هو الهادى لا يعلم العباد الا ما علمهم و لا يدركون الا ما يسرهم ادراكه فالحواس و العقل فطرته و خلقه و عطيته اخبرنا ابو زكريا بن ابى اسحق قال ثنا ابو الحسن الطرايفى قال ثنا عثمان الدارمى قال ثنا عبدالله بن صالح عن معاوية بن صالح عن على بن ابى طلحة عن ابن عباس رضى الله عنهما قوله "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" يقول الله سبحانه و تعالى هادى اهل السموت و الارض مثل نور مثل هداه من قلب المومن كما يكاد الزيت الصافى يضئ قبل ان تمسه النار فاذا

مسته النار ازداد ضوأ علی ضوء کذالک یکون قلب المؤمن یعمل الهدی قبل ان یاتیه العلم فاذا اتاه العلم ازداد هدی علی هدی و نورا علی نور و قال ابو سلیمان فیما اخبر عنه ولا یجوز ان یتوهم ان الله سبحنه و تعالی نور من الانوار فان النور تضاده الظلمة و تعاقبه فتزیله و تعالی الله ان یکون له ضدا و ندا.

عیسی بیان کرتے ہیں کہ وہ (اللہ) بندوں کو ہدایت دینے والا ہے بندے کچھ بھی نہیں جانتے مگر صرف اتنا کہ جو وہ سکھا دے، بندے صرف اس چیز کا ادراک حاصل کر سکتے ہیں جو چیز اللہ تعالی ان کے لئے ظاہر کر دے، حس اور عقل اس کی پیدا کردہ مخلوق اور اس کی طرف سے تحفہ ہیں، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالی کے اس فرمان "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی آسمانوں اور زمین والوں کو ہدایت دینے والا ہے اسکے نور کی مثال مومن کے دل سے نکلنے والے نور کی طرح ہے گویا کہ صاف وشفاف تیل ہے کہ جو آگ کے چھونے سے قبل ہی جل پڑے اور اگر آگ چھو جائے تو روشنی میں مزید اضافہ ہو جائے یہی مثال اس دل کی ہے جو علم سے قبل ہی ہدایت پر عمل پیرا ہو اور جب علم آ جائے تو ہدایت دوچند ہو جائے۔ نور علی نور کے یہی معنی ہیں۔

ابو سلمان کہتے ہیں کہ مجھے یہ بتلایا گیا کہ اللہ تعالی کے بارے میں یہ خیال رکھنا جائز نہیں ہے کہ وہ روشنیوں میں سے ایک روشنی ہے کیونکہ ظلمت (اندھیرا) نور کی ضد ہے، نور ظلمت کے بعد آ کر اسے زائل کر دیتا ہے۔ اللہ تعالی تو اضداد اور انداد سے منزہ ہے۔

قال: یورپ سارا اندھا ہے۔ الحمدللہ یہ چیز ہمیں اسلام میں ملتی ہے۔ (صفحہ 43)

اقول: تم نے تو لوگوں کو اندھا رکھا ہوا ہے، کہ بجائے قرآن وحدیث کے اپنا باطنی علم اور

یونانی فلسفہ انہیں سنا رہے ہو دہریئے جو دین کو نہیں مانتے تو یہ اسی معرفت ہی کی برکت ہے وگرنہ وحی تو ایسی تعلیم ہے کہ جس کے سامنے سوائے سر تسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ ہی نہیں۔

قال: یہ انسانی دماغ جو کبھی کائنات کے چکر لگانے میں مصروف ہے تو کبھی مادی حجابات کے پردے اٹھانے میں۔مگر رب تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات کے علم پر نہ پہنچے تو بے کار ہے۔یہ ہے"لا الہ الا اللہ "کی معرفت کی انتہا۔(صفحہ 43)

اقول: یہ معرفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا سلف صالحین رحمہم اللہ کو بھی تھی یا صرف آپ پر ہی نازل ہوئی ہے؟

اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَآ اَوْ اَثٰرَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ.(الاحقاف 4:)

اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے ہی کی کوئی کتاب یا کوئی علم جو منقول چلا آ رہا ہو میرے پاس لاؤ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان بالغیب لانا ہے،اور یہی حکم ہمیں بھی دیا گیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ. وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ. اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.(البقرۃ 5-3)

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کتاب آپ پر نازل ہوئی اور جو کتابیں آپ سے پہلے انبیاء پر نازل ہوئیں،سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تو انسانی علم کی انتہا یہ بتلا رہا ہے اور جو تم بتا رہے ہو یہ نہ قرآن میں ہے اور نہ

حدیث میں۔ ہاں تمہارے مفروضی علم میں کہ جسے باطنی علم کہتے ہو ضرور ہوگی۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات بے مثل ہیں تو پھر اس کے علم کی انتہا تک کیسے پہنچا جائیگا؟ یہ تو ان لوگوں کا مذہب ہے جو تشبیہ اور تجسیم کے قائل ہیں۔ اللہ کے علم تک پہنچنا ممکن ہے تو ایسی صورت میں اس کی صفات بے مثل نہ رہیں بلکہ ضرور ان کی کوئی تشبیہ لازم آئے گی سبحانہ و تعالی عما یقولون علواً کبیراً۔

قال: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انا عرضنا الامانة علی السموت والارض۔ الخ۔ (صفحہ 43)

اقول: مذکورہ آیت کی تفسیر میں مولانا صاحب نے جو کچھ کہا ہے یہ سلف صالحین کی تفسیر کے خلاف ہے تفسیر ابن کثیر صفحہ 522 جلد 3 میں اقوال سلف نقل کرنے کے بعد امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و کل هذه الاقوال لاتنافی بینها بل هي متفق و راجعة الی انها التکلیف و قبول الاوامر والنواهي بشرطها وهو انه ان قام بذلک اثیب و ان ترکها عوقب فقبلها الانسان علی ضعفه وجهله و ظلمه الا من وفق الله و بالله المستعان۔

ان تمام چیزوں میں منافاۃ نہیں ہے بلکہ یہ باہم متفق ہیں اور ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ ذمہ داری ہے اور اوامر ونواہی کو (تمام شرائط کے ساتھ) قبول کرنے کے لئے ہے۔ اگر (انسان) ان اوامر ونواہی پر قائم رہے تو ثواب و جزا ہے اور اگر ان کو چھوڑ دے تو عذاب و سزا ہوگی۔ انسان نے اپنے ضعف اور جہالت کے باوجود انہیں قبول کیا ہاں مگر جس کو اللہ توفیق دے۔ اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔

مگر مقرر صاحب کی بیان کردہ تفسیر میں کئی مفاسد ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے آسمانوں اور زمین پر

امانت بھیجی حالانکہ قرآن مجید میں لفظ عرضنا ہے ارسلنا نہیں ہے اور دونوں میں فرق نمایا ہے اگر اللہ نے امانت بھیجی تو وہ واپس کیسے ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ:

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ. (الحجر 8)

ہم فرشتوں کو صرف حق کے ساتھ نازل کرتے ہیں۔

یہ ہے وہ تحریف کہ جس پر ساری تقریر کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ **فاذا بطل هذا بطل ذا.**

ثانیا: کہتے ہیں کہ یہ امانت دو چیزوں کی تھی ایک یہ کہ ساری مخلوق خصوصا انسان رب تبارک و تعالیٰ کو، اس علم اور معرفت سے پہچانیں کہ جس طرح خدا چاہتا ہے۔ (صفحہ 43-44)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آسمان اور زمین اللہ کو پہچانتے ہیں نہیں جبکہ قرآن مجید میں ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ. (الاسراء 44)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور مخلوقات میں سے ہر چیز اس کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ. (الحج:18)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج، چاند، ستارے، اور پہاڑ، اور درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے ایسے کہ جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (حم السجدة:11)

پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ (اس وقت) دھواں تھا تو اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا دونوں آؤ، خواہ خوشی سے خواہ ناخوشی سے، انہوں نے کہا ہم بخوشی آتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ اللہ کی معرفت تمام چیزوں کو ہے۔

ثالثاً: کہتے ہیں کہ آسمان نے دیکھا کہ مجھ میں ایسی کوئی صلاحیت نہیں کہ اللہ کی خالقیت کا حق ادا کروں۔ الخ (صفحہ44)

جی ہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا پورا حق نہ تو کوئی ذوی العقول ادا کر سکتا ہے اور نہ غیر ذوی العقول۔ باقی عبادت تو ساری مخلوق کرتی ہے بلکہ خالقیت کا حق سمجھ کر کرتی ہے۔ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ آیت اس بات کا مظہر ہے اور یہ کہنا غلط ہے کہ انسان نے اس امانت کو صحیح طور پر ادا کر دیا تو خالقت کا حق ادا ہو جائے گا۔

بندہ ہمان بہ کہ بتقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد

ورنہ سزاوار خداوندیش کس نتواند بجا آورد

رابعاً: کہتے ہیں کہ آسمان کس مخلوق پر انصاف کی نظر کرتا.......... الخ (صفحہ 44)

اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی انکار نہیں ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ تو کسی سے کوئی بھی کام لے سکتا ہے وہ تو جانوروں سے انصاف کا کام لے سکتا ہے جیسا کہ مسند احمد میں ہے:

ففي مسند امام احمد ص407 جلد2 ثنا عفان ثنا حماد بن سلمة قال انا اسحق بن عبدالله بن ابي طلحة عن ابي صالح عن ابي هريرة عن النبي ﷺ فيما يحسب حماد ان رجلا كان يبيع الخمر في سفينة ومعه في

السفينة قرد فكان يشوب الخمر بالماء قال فاخذ القرد الكيس ثم صعد به فوق المور و فتح الكيس فجعل ياخذ دينارا فيلقيه في السفينة و دينارا في البحر حتى جعله نصفين۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی کشتی میں کوئی مشروب بیچتا تھا اسی کشتی میں ایک بندر بھی تھا، وہ آدمی اس مشروب میں پانی ملاتا تھا۔ ایک مرتبہ بندر آدمی سے پیسوں والی تھیلی چھین کر کشتی کے بادبان پر چڑھ گیا اور تھیلی کھول کر ایک دینار کشتی میں اور ایک دینار پانی میں پھینکنا شروع کر دیا اس طرح اس نے پیسوں کو آدھا آدھا تقسیم کر دیا۔

تو اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی بھی کام لے سکتا ہے۔

خامساً: کہتے ہیں کہ یہ خاموش ہیں کیا اللہ کا حق ادا کر سکتے ہیں؟

کیا ان پر جو عبادت کا حق رکھا گیا ہے اسے بھی کرتے ہیں؟

سادساً: فرماتے ہیں کہ انسان نے دیکھا کہ اس میں دو ظرف ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا"۔

تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ظلوم وجہول پیدا کیا ہے، حالانکہ صحیح حدیث میں واضح الفاظ ہیں:

مامن مولود الا يولد على الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه (متفق عليه)

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

ان دونوں ظروف کا قرآن مجید یا حدیث میں کہیں ذکر ہے یا آپ کے باطنی علم میں ہے

؟تمہارے علامہ نسفی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

انه كان ظلوما لكونه تاركا لاداء الا مانة جهولا لا خطائه مايساعده مع تمكنه منه وهو ادائها . هكذا فى الكشاف للزمخشرى ص 565 ج3 بيروت)

انسان ظالم اس لحاظ سے ہے کہ یہ امانت ادا نہیں کرسکتا اور جاہل اس لئے کہ فرائض کی بجا آوری کی طاقت ہونے کے باوجود غلطیاں کرتا ہے۔

بلکہ قرآن مجید میں تو یہ فرمایا گیا ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِه (الاحزاب:4)

اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے۔

سابعاً: جگ اور مٹکے کی جو مثال دی گئی ہے اس کے مطابق تو انسان خود امانت ہے تو پھر ظلم اور جہل کہاں رہے؟

مقرر صاحب کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق انسان شروع ہی سے ظالم اور جاہل ہے پھر جس نے امانت کو قبول کیا اور اس کے مطابق چلا تو وہ ظالم اور جاہل نہ رہا بلکہ عالم اور عادل بن گیا۔ یہ تفسیر تو متذکرہ حدیث کے خلاف ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسان فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر جس نے امانت میں خیانت کی تو وہ ظالم کہلائے گا لہذا یہ تفسیر بالرائے غلط اور مردود ہے صحیح تفسیر وہی ہے جو سلف صالحین نے بیان کی ہے جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ سے منقول تفسیر ذکر کی گئی ہے۔

ثامناً: فرماتے ہیں کہ انسان نے دیکھا کہ مجھ میں ظلم کا ظرف ہے جب میں اس میں عدالت ڈالوں گا تو عدالت کی وجہ سے یہ بھر جائے گا اور ظلم کا نام گم گشتہ ہوجائے گا۔ (صفحہ 45)

اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنا ظالم پیدا کیا ہے تو پھر اسے امانت کیوں سونپی؟ اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو پھر انسان اس طرح کیسے کرسکتا ہے؟

فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ۔ (الروم: 3)

اور اللہ تعالیٰ کی فطرت کو جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

تاسعاً: فرماتے ہیں کہ جہالت میرے اندر ہے جب میں اللہ کی ذات اور صفات کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا تو مجھے عالم کہا جائے گا۔ (صفحہ 45)

یہ بھی وہی پرانا فلسفہ، معرفت اور باطنی علم ہے جس کا پہلے بیان گزرا۔

عاشراً: فرماتے ہیں کہ اللہ نے شاباش دی (صفحہ: 45)

حالانکہ مفسرین نے یہ معنی کیا ہے کہ امانت ادا کی اور عاقبت پر غور بھی کیا، یہ شاباشی ہے یا تنبیہ؟ الغرض ساری آیت کی تفسیر رائے، تخیل اور سفسطہ سے کی گئی ہے جو اہل علم کے شایان شان نہیں ہے۔

قال: فاطمہ بنت قیس بنو مخزوم کی ایک عورت خاندان قریش کے ایک شریف قبیلے کی عورت تھی یہ غلطی سے چوری کر بیٹھی۔ (صفحہ 46-47)

اقول: یہ عورت فاطمہ بنت قیس نہیں بلکہ فاطمہ بنت الاسود بن عبدالاسد بنت اخی ابن سلمہ ہے (دیکھیے فتح الباری ص 88 ج 2 طبع سلفیہ تحفۃ الاحوذی صفحہ 321 ج 2 اور الاصابہ صفحہ 369 ج 4)

یہ بنو مخزوم اور خاندان قریش کے قُہر نامی قبیلے سے تعلق رکھتی ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا شاید باطنی علم میں آپکو اسی طرح نظر آیا ہو۔

قال: چاند مہینے میں چودہ ٹکڑے بن جاتا ہے ہم اپنی آنکھوں سے یہ چودہ ٹکڑے دیکھتے ہیں

جڑتے جڑتے کھلتا اور پھر جڑ جاتا ہے (ص 49)

اقول: رسول اللہ ﷺ نے جو معجزہ دکھایا تھا اس کی وجہ سے لوگوں نے چاند کو دو ٹکڑوں میں منقسم دیکھا تھا جیسا کہ احادیث میں تفصیل موجود ہے، اور قرآن مجید میں ہے۔

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ۔ (القمر:1)

قیامت قریب آ پہنچی اور چاند ٹکڑے ہو گیا۔

باقی چودہ ٹکڑے تمہیں ہی نظر آتے ہوں گے۔

قال: محمد رسول اللہ (ﷺ) ایک دعوی ہے، ایک بہت بڑا دعوی۔ (صفحہ 50)

اقول: غلط بالکل غلط، یہ دعوی نہیں ہے کیونکہ دعوی تو ثبوت کا محتاج ہوتا ہے اور اللہ کا فرمان یا خبر کسی ثبوت کے محتاج نہیں ہیں یہ تو فی نفسہ ثبوت ہے یہ باطنی علم ہی ہے جو اللہ کے فرمان کو مخلوق کے کلام کی طرح ثبوت کا محتاج بنا رہا ہے، مقرر صاحب کو سوچنا چاہیے کہ ثبوت کا محتاج تو مخلوق کا قول ہوتا ہے، حاکم کا حکم نفس الامر میں تو خود ثبوت ہے اور یہ بات تو ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ اگر مخلوق میں سے کوئی کسی قسم کا دعوی کرے، اس سے کہا جاتا ہے کہ وحی الٰہی میں سے اس کا ثبوت پیش کرو۔ نہ کہ وحی کے نازل کرنے والے سے ثبوت پیش کرو۔ نہ کہ وحی نازل کرن والے سے ثبوت کا مطالبہ کیا جائے۔

اب اس سے بڑھ کر دہریت اور کیا ہوگی؟ یہ سب تمہاری معرفت کے کرشمے ہیں۔

قال: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذرع چوری ہوگی (الی قولہ) ذرع یہودی کو دے دی گئی۔(1) (صفحہ 52-50)

یہ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک جنگ سے واپسی پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زرع چوری ہو گئی ایک یہودی وہ ذرع بازار میں فروخت کرتا ہوا پایا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ یہ ذرع تو میری ہے میں نے نہ تو اسے بیچا ہے اور نہ ہی کسی کو ہبہ کی ہے۔ یہودی نے جواباً کہا کہ یہ ذرع میری ہے میں اسکا مالک ہوں معاملہ

قاضی شریح کی عدالت تک پہنچا تو قاضی شریح نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے گواہ طلب کئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ اور غلام قنبر کو بطور گواہ پیش کیا قاضی شریح نے کہا کہ غلام کی گواہی آقا کے حق میں اور بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قابل قبول نہیں ہے اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا بیٹا ہی نہیں بلکہ جوانان جنت کا سردار بھی ہے الغرض قاضی شریح نے گواہوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ ذرع یہودی کو دے دی چونکہ یہ واقعہ موضوع ہے اس لئے قابل بیان نہیں ہے۔ (عبدالحمید گوندل)

اقول: یہ ذرع والا واقعہ سارا جھوٹا اور موضوع ہے ابن خلف الوکیع اخبار القضات صفحہ 294-200 ج 2 میں اس واقع کو اس طرح نقل کرتے ہیں:

قال حدثني علي بن عبدالله بن معاويه بن ميسرة بن شريح بن الحارث القاضي قال حدثني ابي عن ابيه معاوية عن ميسر عن شريح قال لما رجع علي من قتال معاوية وجد ذرعا له افتقده بيد يهودى يبيعها فقال علي درعي لم ابع ولم اهب فقال اليهودى درعي و في يدى فاختصما الى شريح فقال له شريح حين ادعى هل لك بينة قال نعم قنبر والحسن ابني فقال شريح شهادة الا بن لا تجوز للاب قال سبحان الله رجل من اهل الجنة۔

ساری سند مجہول ہے۔ بلکہ شیخ ابن خلف تو علی بن عبداللہ کی موضوعات کا ناقل ہے۔ کما ذکرہ ابن ابی حاتم فی الجرح والتعدیل ص 193 ج 3 عن ابیہ ایضاً والحافظ الذھبی فی میزان الاعتدال ص 221 ج 2 والحافظ ابن حجر فی لسان المیزان ص 236-237 ج 3 وغیرہ۔

جھوٹے اور بے سند قصے بیان کرنے کے علاوہ معرفت کے دعوے داروں کو اور آتا ہی کیا ہے؟

قال: حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں "اللھم ادر الحق حیث دار علی" اے اللہ حق کو اسی

طرف پھیر دینا جہاں علی منہ کرے۔(صفحہ 51)

اقول: مقرر صاحب نے یہ روایت تو پیش کردی ہے لیکن کیا بتلا سکتے ہیں کہ یہ روایت کس کتاب میں ہے؟ کس نے روایت کی ہے، اور سند کیسی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا خوف رخصت ہوگیا ہے جو اس قسم کی جھوٹی روایتیں بیان کررہے ہو ذرا ملاحظہ کریں امام ذہبی اس روایت کے متعلق کیا فرماتے ہیں:

و قوله انهم رووا جميعا ان رسول الله ﷺ قال: علي مع الحق يدور معه حيث دار ولن يتفرقا حتى يردا على الحوض. من اعظم الكلام كذبا وجهلا فان هذا الحديث لم يروه احد عن النبي ﷺ لا باسناد صحيح ولا ضعيف فكيف يقال "انهم جميعا رووا هذا الحديث" وهل يكون اكذب ممن يروى عن الصحابة والعلماء انهم رووا حديثا، والحديث لا يعرف عن احد منهم اصلا، بل هذا من اظهر الكذب ولو قيل رواه بعضهم و كان يمكن صحته لكان ممكنا وهو كذب قطعا على النبي ﷺ وينزه عنه رسول الله ﷺ و ايضا فالحق لا يدور مع شخص غير النبي ﷺ ولو دار الحق مع علي حيثما دار لوجب ان يكون معصوما كالنبي ﷺ.

اورلوگوں کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ علی حق پر ہے اور حق علی کے ساتھ ساتھ رہتا ہے تاکہ جہاں علی ہو وہاں حق رہے یہ دونوں الگ الگ نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر آ کر مجھ سے ملیں گے یہ کذب اور جہالت کی انتہا ہے اس لئے کہ مذکورہ روایت رسول اللہ ﷺ سے کسی بھی صحیح یا ضعیف سند سے مروی نہیں ہے۔ پھر یہ بات کس طرح

صحیح ہوسکتی ہے کہ ''یہ حدیث تمام محدثین نے بیان کی ہے'' لہذا اس شخص سے بڑا جھوٹا اور کوئی نہیں ہے جو کسی روایت کے متعلق یہ دعوی کرے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور علماء محدثین نے یہ روایت بیان کی ہے حالانکہ وہ روایت اصلاً کسی سے بھی منقول نہ ہو یہ واضح جھوٹ ہے ہاں اگر یوں کہا جائے کہ بعض علماء نے اس روایت کو نقل کیا ہے اگر اس روایت کی سند صحیح ہوگی تو یہ بات ممکن ہوسکتی ہے اور اگر سند صحیح نہیں تو یہ نبی کریم ﷺ پر ایک بہتان ہوگا اور نبی ﷺ اس سے بری ہونگے علاوہ ازیں حق تو صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات قدس کے ساتھ رہتا ہے، دوسرا کوئی شخص اس خصوصیت کا حامل نہیں ہوسکتا۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات تسلیم کرلی جائے تو پھر انہیں بھی رسول اللہ ﷺ کی طرح معصوم ماننا پڑے گا (جو ناممکن ہے)۔

قال: اللہ تعالی نے قرآن شریف میں گواہ پیش کئے ہیں الخ۔ (صفحہ 52)

اقول: یہاں معرفت ہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت کے لئے گواہ امت کے افراد ہوں البتہ یہ ضرور ہوگا کہ ابوبکر عثمان علی رضی اللہ عنہم کی حقانیت اور صداقت، دیانت اور امانت کے لئے قرآن وحدیث سے دلائل پیش کئے جائیں گے اور گواہیاں لی جائیں گی لیکن چودھویں صدی کے مجتہد جو ایک طرف اجتہاد کی راہ کو مسدود قرار دیتے ہیں، اسے شجر ممنوعہ تصور کرتے ہیں اور دوسری طرف ایسا اجتہاد کرتے ہیں کہ جو پہلے کسی نے پیش ہی نہیں کیا یعنی خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم محمد ﷺ کے رسول ہونے کے گواہ ہیں۔ جس روایت پر اس تفسیر کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ تو من گھڑت ہے حدیث کی کسی مشہور ومعتبر کتاب میں موجود نہیں ہے اور یہ بات اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ آیت مذکورہ کے ساتھ صرف خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کو خاص کیا گیا ہے جبکہ معنی ومفہوم

کے اعتبار سے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں داخل ہیں علاوہ ازیں ان چاروں میں سے ہر ایک میں یہ سب صفات موجود ہیں جبکہ مقرر صاحب کی تفسیر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک صفت ایک کے لئے ہے جبکہ دوسری صفت دوسرے کے لئے خاص ہے مطلب یہ کہ چاروں صفتیں بیک وقت کسی ایک میں مجتمع نہیں ہو سکتیں۔

یعنی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ''اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ'' نہیں بلکہ یہ صفت صرف عمر رضی اللہ عنہ کیلئے خاص ہے ذرا بتلاؤ کہ مانعین زکوٰۃ کے سامنے کون اس صفت کا زیادہ متصف تھا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو خود قتال کے قائل نہ تھے بلکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گفتگو کے بعد قائل ہوئے یعنی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کے دشمنوں کے لئے سخت تھے۔

اسی طرح ''رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ'' سے مراد فقط عثمان رضی اللہ عنہ نہیں اور ''راکع ساجد'' سے مراد صرف علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نہیں ہیں۔ حاشا وکلا۔

اس طرح کہنے سے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین لازم آتی ہے اعتقاد یہ ہونا چاہیے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہ ان اوصاف کے حامل تھے ہر ایک کا اپنا ایک مقام و مرتبہ ہے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ منہاج السنۃ میں فرماتے ہیں:

لكن هذا التفاسير الباطلة يقول مثلها كثير من الجهال كما يقولون محمد ﷺ والذين معه ابوبكر اشداء على الكفار عمر رحماء بينهم عثمان تراهم ركعا سجدا على يجعلون هذه الصفات لموصوفات متعدده و يعنون الموصوف في هؤلآء الاربعة والاية صريحة في ابطال هذا و هذا فانها صريحة في ان هذه الصفات كلها لقوم يتصفون بها كلها و انهم كثيرون ليسوا واحدا ولا ريب ان الاربعة افضل هؤلآء

وکل من الاربعة موصوف بذلک کله ان کان بعض الصافات فی بعض اقوی منها فی آخر۔

یہ تفسیر یقیناباطل ہے جو اکثر جہلا کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ والذین معہ سے مراد ابوبکر ہیں۔اشداء علی الکفار سے مراد عمر ہیں۔ رحماء بینھم سے مراد عثمان اور تراھم رکعا سجدا سے مراد علی رضی اللہ عنہم ہیں یہ لوگ ان صفات کو متعدد موصوف کیلئے خاص کرتے ہیں اور موصوف صرف ان چاروں کو ہی مراد لیتے ہیں جبکہ یہ آیت اس قسم کی تفسیر کے ردمیں بالکل واضح ہے کیونکہ یہ اس بات کی وضاحت کررہی ہے کہ یہ تمام صفات سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے خاص ہیں اور وہ (موصوف بھذا الصفات) زیادہ ہیں ایک نہیں ہے اگرچہ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ چاروں (ابوبکر،عثمان،عمر،علی رضی اللہ عنہم) ان تمام صحابہ میں افضل ہیں اور ان تمام صفات سے متصف ہیں اگرچہ کچھ صفات کسی میں زیادہ کسی میں کم ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر جہلاء کی خود ساختہ ہے جسے مقرر صاحب مسند خطابت پر براجمان ہوکر مخلوق کی رہنمائی کیلئے بیان کررہے ہیں اللہ انہیں ہدایت نصیب کرے۔

قال: ایک دوبڑے سوراخ تھے جنہیں اپنا پیر رکھ کر بند کیا (الی قولہ) اندر سے کوئی موذی چیز کاٹنے لگی۔(1)(صفحہ 53)

اس بات کا تعلق واقعہ ہجرت سے ہے۔نبی اکرم ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں مکہ سے پانچ میل دور غار ثور میں پناہ لیتے ہیں غار کے دھانے پر پہنچ کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابھی آپ ﷺ داخل نہ ہوں، پہلے میں داخل ہوکر دیکھتا ہوں اگر اس میں کوئی موذی چیز ہوئی تو مجھے اس سے

سانپ پیش آ ئے۔چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ اندر گئے اورغار کو صاف کیا۔ایک جانب چند سوراخ تھے جنھیں اپنا تہہ بند پھاڑ کر بند کیا لیکن دو سوراخ باقی بچ گئے ان دونوں پر جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاؤں رکھ لئے ...... کسی موذی چیز نے آپ رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں ڈس لیا۔

اقول: مذکورہ واقعہ بھی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ میں یہ واقعہ امام بیہقی سے بغیر سند کے ذکر کر کے فرماتے ہیں:

و فی هذا السیاق غرابة و نکارة (البدایة والنهایة ص 140 ج3)

یہ روایت غریب اور منکر ہے۔

مقرر صاحب کو عمر بھر کے لئے چیلنج ہے کہ یہ واقعہ کسی معتبر کتاب میں صحیح سند کے ساتھ پیش کریں اور بس۔

قال: کبوتری کو حکم ہوا کہ تم وہاں انڈے دے دو۔(صفحہ 54)

اقول: کبوتری کے انڈے دینے والا واقع بھی منکر و مردود ہے **طبقات ابن سعد** صفحہ 288ج1 طبع بیروت میں مندرجہ ذیل سند سے مروی ہے:

قال اخبرنا مسلم بن ابراهیم اخبرنا عون بن عمرو القیسی اخو ریاح القیسی اخبرنا ابو مصعب المکی قال ادرکت زید بن ارقم و انس بن مالک والمغیرة بن شعبة الحدیث .عون بن عمرو قال ابن معین لا شئی و قال البخاری منکر کما فی میزان الاعتدال (ص 209 ج2)

ابن سعد، مسلم بن ابراہیم سے وہ عون بن عمرو القیسی سے بیان کرتے ہیں جو ریاح القیسی کا بھائی ہے وہ ابو المصعب سے روایت کرتے ہیں کہ میں زید بن ارقم، انس بن مالک اور مغیرہ بن شعبہ سے ملا۔عون بن عمرو القیسی کے متعلق ابن معین فرماتے ہیں کہ ''**لا شئی**''اور امام بخاری رحمہ اللہ اسے منکر کہتے ہیں۔

بلکہ امام ذہبی نے مذکور سند میں مجہول کہا ہے ایضاً لسان المیزان صفحہ 37 ج 6 میں ہے:

قال العقیلی مجہول

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایۃ والنہایۃ صفحہ 182 ج 3 میں یہ روایت لکھ کر فرماتے ہیں:

و ھذا حدیث غریب جدا من ھذا الوجہ

قال: "إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" رب ہمارے ساتھ ہے، تیرے ساتھ بھی اور میرے ساتھ بھی (صفحہ 55)

اقول: معیت ایک ایسی صفت ہے جس کے بارے میں ہمیں بولنے کا اختیار نہیں ہے ہاں جو کچھ سلف صالحین سے منقول ہے وہ بیان کیا جاسکتا ہے۔۔۔ امام بیہقی مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ:

سالت سفیان الثوری عن قول اللہ عزوجل وھو معکم قال علمہ و عن الضحاک قال ھو اللہ عزو جل علی العرش و علمہ معکم و ھکذا عن مقاتل بن حیان (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص 304)

میں نے سفیان ثوری سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بابت پوچھا کہ "وَ هُوَ مَعَكُمْ" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اس سے مراد اللہ کا علم ہے ضحاک فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور اسکا علم تیرے ساتھ ہے، اسی طرح مقاتل بن حیان کا بھی قول ہے۔

امام ترمذی اپنی سنن کے ابواب التفسیر میں سورۃ الحدید کے تحت فرماتے ہیں:

وفسر بعض اھل العلم ھذا الحدیث فقالوا انما ھبط علی علم اللہ وقدرتہ وسلطانہ و علم اللہ و قدرتہ و سلطانہ فی کل مکان وھو علی العرش کما وصف فی کتابہ.

بعض اہل علم اس حدیث کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ وہ (پتھر جو جہنم میں گرایا گیا) اللہ کے علم، اس کی قدرت اور اس کے حکم سے گرا اور اللہ کا علم، قدرت اور بادشاہت ہر جگہ ہے اور وہ بذاتہ عرش پر ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بیان ہوا۔

اور جو کچھ مولوی صاحب نے بیان کیا ہے اسے تسلیم کرنے سے باری تعالیٰ کی ذات کے لئے نقص لازم آئے گا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے موقع اور محل کے مطابق کبھی اس کے ساتھ تو کبھی اس کے ساتھ۔ **تعالی اللہ عما یقولون علوا کبیرا۔**

قال: اس کا معنی یہ کہ تیرے ساتھ تیری حیثیت میں اور میرے ساتھ میری حیثیت میں۔(صفحہ 55)

اقول: یہ دو حیثیتیں قرآن کی کس آیت میں مذکور ہیں؟ کیا کوئی حدیث پیش کر سکتے ہو یا وہ صرف تمہارے باطنی علم میں ہیں؟ سوال یہ ہے کہ کیا اللہ پر ہماری حیثیتوں کا اثر پڑتا ہے؟ یہ تو صوفیاء کے ہاں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ **منقلب بانقلابنا۔**

تعالی اللہ عما یصفون۔

قال: ایک زبردست سول ہے۔(ص 55)

اقول: یہ سوال جبھی پیدا ہوا کہ آپ نے سلف صالحین کے خلاف معنی کیا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا لیکن جو معنی سلف صالحین نے بیان کیا ہے اس میں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قال: سورج کے سامنے آئینہ رکھو (الی قولہ) اسی طرح تبارک وتعالیٰ نے نبوت کو نبی اکرم ﷺ کے وجود پر نازل کر کے اسے چمکا دیا، اور صدیق کی حیثیت آئینے کی طرح ہے۔(صفحہ 56)

اقول: یہ مثال بھی غلط ہے جو کہ صرف رائے اور فلسفہ پر مبنی ہے، اگر نبوت کی تشبیہ سورج سے صحیح ہو تب بھی اس کا آئینہ خود نبی کریم ﷺ کی ذات ہوگی کہ جس سے

نبوت کی روشنی صحیح اور کامل نظر آتی ہے جس طرح آئینے میں سورج نظر آتا ہے اس لئے آپ ﷺ نے "لتبین للناس" کے مصداق وحی الٰہی کو کھول کھول کر بیان کیا۔ باقی ابو بکر رضی اللہ عنہ یا کسی اور شخص کو نبوت کا آئینہ کہنے میں کئی مفاسد لازم آتے ہیں۔

اولاً: امتی کو بھی نبی کی طرح معصوم مانا گیا ہے جبکہ یہ عقیدہ اہل السنۃ کے عقیدے کے خلاف ہے۔

ثانیاً: حدیث مبارک میں ایک شخص کا تذکرہ ملتا ہے جس نے ایک خواب دیکھا جب اس نے خواب بیان کیا تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا

یارسول الله بابی انت و امی دعنی فاعبرها فقال النبی ﷺ عبرها.

اللہ کے رسول ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے حکم دیجئے کہ میں اس خواب کی تعبیر بیان کروں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیان کرو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تعبیر بیان کرنے کے بعد فرمایا:

یارسول الله ﷺ اخبرنی بابی انت و امی اصبت ام اخطات قال النبی ﷺ اصبت بعضها و اخطات بعضا قال والله یارسول الله لتحدثنی مالذی اخطات قال لاتقسم. (**بخاری باب من لم یر الرؤیا لاول عابر اذا لم یصب کتاب التفسیر**)

اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان بتلا یئے کہ میں نے صحیح تعبیر بیان کی یا غلط؟ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کچھ صحیح اور کچھ غلط ہے تو ابو بکر نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ کی قسم آپ ضرور بتلایئے کہ میں نے کیا غلطی کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا قسم مت کھاؤ۔

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوکہ کوئی بھی امتی معصوم نہیں ہے۔

ثالثاً: یہاں آئینے میں سورج کا عکس پورا نظر کیوں نہ آیا؟

رابعاً: جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "کچھ غلط ہے" تب بھی آئینے کو اپنی غلطی کا پتہ نہ چلا، بلکہ قسم کھا کر پوچھا۔

خامساً: آپ ﷺ نے غلطی نہ بتائی بلکہ خاموش رہے آپ ﷺ کے سکوت نے عکس والی مثال کو ھباءً منثورا کر دیا۔

علاوہ ازیں جو مثال پیش کی گئی ہے اس کی ممثل لہ کے ساتھ کوئی موافقت نہیں ہے کیونکہ مثال میں کہا تھا: جس طرح آئینے میں سورج اتر جاتا ہے بالکل اسی طرح اللہ تبارک وتعالی نے نبوت کو رسول اللہ ﷺ کے وجود پر نازل کر کے اسے سورج کی طرح چمکا دیا (صفحہ 56)

اس سے معلوم ہوا کہ ایسا آئینہ تو خود رسول اللہ ﷺ بنیں گے نہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ لہذا یہ مثال غلط ہے اہل معرفت اسے مانتے ہیں تو مانیں مگر اہل علم اسے تسلیم نہیں کرتے۔

قال: جو انوار نبوت نبی ﷺ کے قلب پر نازل ہوتی ہیں اس کا عکس صدیق کے قلب پر اس طرح ہوتا ہے جس طرح آئینے میں سورج اترتا ہے۔ (ص 56)

اقول: بہت خوب "مردان چنیں کنند" قادیانی ظلی نبوت کی اصل آپ نے ڈھونڈ نکالی۔ مقرر صاحب ذرا بتاؤ کہ اگر بات یہی ہے تو اوپر ذکر کردہ روایت میں صدیق رضی اللہ عنہ سے غلطی کیوں ہوئی؟

قال: پھر جو صورت، جو شکل، اور جو چمک سورج کی ہے لازما اسی طرح آئینے میں نظر آئے گی، ان دونوں کی چمک میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں ہے۔ (ص 56)

اقول: یہی کچھ تو قادیانی ظلی نبوت والے کہتے ہیں پھر اس طرح ان دونوں میں کیا فرق رہ گیا؟ اہل معرفت صوفیاء اب صدیق کا عکس پیش کرتے ہیں پھر کوئی دوسرا عکس دیکھیں گے تو وہ بیان کریں گے مقرر صاحب ذرا غور فرمائیں کیا دیگر صحابہ عکس نہیں بن

سکتے؟ اس طرح تو لاتعداد عکس معرض وجود میں آجائیں گے، اور پھر ان میں جو اختلاف ہے وہ اظہر من الشمس ہے جبکہ ایک سورج کے عکس میں اختلاف نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر سورج کے سامنے کئی آئینے رکھ دیئے جائیں تو سب میں ایک جیسا ہی سورج نظر آئے گا اور یہاں تو کئی سنن میں اختلاف موجود ہے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع میں تطبیق بین الیدین کے قائل ہیں (سنن نسائی) جبکہ دیگر صحابہ اس کے خلاف ہیں اب کو عکس کہیں گے؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اذان ثالث دلوائی جبکہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اسے بدعت کہتے ہیں (ابن ابی شیبہ) سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روزے کی حالت میں برف کے اولے کھانے کو جائز کہتے ہیں (الاحکام لابن حزم ص 18)

اسی طرح دیگر مختلف احکام ملتے ہیں کس کو عکس کہیں گے؟

قال: اللہ تبارک وتعالی اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور اسی کا عکس پھر صدیق کے دل پر پڑ رہا تھا۔ (ص 56)

اقول: اب یہاں صدیق کو اللہ تعالی نے عکس بنایا ہے جب یہ آئینہ سب کے لئے بنا ہے تو دوسروں کو اس میں اللہ کیوں نظر نہیں آتا؟ اور تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالی اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کیا دیگر اوقات میں ساتھ نہ تھے؟ اگر غار میں اللہ بذات خود تھا تو وہ غار کوہ طور کی طرح ریزہ ریزہ کیوں نہ ہوا؟ اگر وہ اللہ کی تجلی تھی تو اس کی روشنی میں کفار کو کوئی نظر کیوں نہیں آیا؟ اللہ تعالی نے سورۃ الحدید میں فرمایا ہے:

"وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ"

یہاں سب انسان (بشمول مسلمان و کافر) مراد ہیں اب یہاں کیا کہو گے اور ان کے لئے عکس کیسے بناؤ گے؟

قال: اس لئے حیثیت کوئی نہ بدلی جب فرمایا "اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (ص 56)

اقول: اگر حیثیت تبدیل نہ ہوئی تو پھر نبی اور امتی میں کیا فرق رہا؟ تمہارے صوفیا تو یہ کہتے ہیں ولی کا رتبہ نبی سے بڑھ کر۔ (**استغفر الله**)

قال: یہ ایک گواہ ہے۔ (ص 56)

اقول: نبی کے لئے گواہ۔ یہ تو خود اندھیر نگری ہے ساری تقریر کا دارومدار جھوٹی اور غیر معتبر روایات یا خیالی مقدمات پر رکھا ہوا ہے ایسے مفروضات کا نتیجہ باطل کے سوا اور کیا ہوگا؟۔

قال: دوسرا گواہ " اشداءُ علی الْکُفّار "(ص 56)

اقول: اشداء صیغہ جمع ہے اس سے فقط سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مراد لینا کس مفسر کی تفسیر یا کونسا قانون ہے؟ کوئی اصل پیش کر سکتے ہو؟

قال: حضور انور ﷺ کے پاس یہودی اور مسلمان فیصلہ کرانے کے لئے آئے (الی قولہ) تو آپ ﷺ نے فرمایا تو فاروق ہے (ص 58-57)

قول: اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے مقرر صاحب نے کچھ ایسی باتیں کہیں ہیں جو اصل واقع میں موجود نہیں ہیں۔

اولا: کہتے ہیں کہ سیدنا عمر کو خونی اور مجرم کی حیثیت سے بلایا گیا۔ (ص 57)

یہ مولوی صاحب کی اپنی معرفت ہے اس حیثیت سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلانے کا کہیں ذکر نہیں البتہ تفسیر نسفی ص 233 ج1 میں اس طرح مذکور ہے۔

قیل جاء اولیاء المنافق یطلبون بدمه و هکذا فی الخازن. (ص1 ج1)

کہا گیا ہے کہ اس منافق کے سرپرست آکر قصاص کا مطالبہ کرنے لگے تفسیر خازن میں بھی اسی طرح ہے۔

غور فرمائیں نہ سند کا ذکر ہے اور نہ ہی کسی کتاب کا حوالہ بلکہ صیغہ تمریض یعنی قیل سے منقول

ہے جو اس واقعہ کے غیر معتبر ہونے کا ثبوت ہے۔

ایضاً: اس میں وہ الفاظ بھی نہیں جو مقرر صاحب نے بیان کیے ہیں۔

ثانیاً: فرمایا عمر یہ کیا ہے؟ کہا حضور اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے الخ (ص57)

روایات میں اس طرح کی کوئی بات ذکر نہیں ہے ہاں یہ ضرور ذکر ہے کہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ کما فی الدر المنثور ص 181-180 ج2 ھکذا فی ابن کثیر)

جبکہ مقرر صاحب امر واقعہ کے برخلاف اس طرح کہہ رہے ہیں کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت بطور دلیل پیش کی یہ یقیناً سفید جھوٹ ہے۔

ثالثاً: امیر عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے جو صفائی پیش کی گئی ہے اس کا بھی کوئی ذکر نہیں ملتا اور تفسیر کبیر میں یہ واقعہ بایں الفاظ موجود ہے:

فجاء اهل المنفق فشكوا الى النبى ﷺ فسال عمر عن قصته فقال عمر انه رد حكمك يارسول الله فجاء جبريل عليه السلام فى الحال و قال ان الفاروق ....(تفسیر کبیر ص 154 ج10)

منافقین نے نبی کریم ﷺ کے سامنے یہ شکایت رکھی رسول اللہ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کی حقیقت معلوم کی تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے رسول اس نے آپ کے فیصلے کو رد کر دیا تھا اس وقت جبریل آئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک فاروق..........)))

دیکھئے! نہ سند لکھی ہوئی ہے اور نہ ہی کسی حدیث کی کتاب کا حوالہ۔ اور مقرر صاحب کے بیان کردہ الفاظ بھی نہیں ہیں اور نہ ہی عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ قرآنی آیت کو بطور دلیل پیش کیا۔

امام رازی نے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں کئی اقوال نقل کیے ہیں جن میں سے ایک قول یہ بھی ہے گویا یہ شان نزول متفق علیہ نہیں ہے۔

قال: نبی کی نبوت کا دوسرا گواہ۔(ص 58)

اقول: یہ بھی گواہ نہیں بن سکتا۔

اولاً علی تقدیر یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی یا بقول مقرر امیر عمر رضی اللہ عنہ نے بطور دلیل یہ آیت پیش کی تھی؟ بہر حال سیدنا عمر کا عمل قرآنی عمل سے ثابت اور برحق ہوا ورنہ شریعت کے قانون کے مطابق آپ سے قصاص کا مطالبہ ہو رہا تھا۔

ثانیاً: اس گواہی میں نبوت کے ثبوت کے بجائے نبوت پر سخت نقص لازم آ رہا ہے کیونکہ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسا نہ کرتے تو نبوی فیصلہ غلط رہتا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

ثالثاً: بقول مقرر صاحب امیر عمر رضی اللہ عنہ کو بحیثیت مجرم بلایا گیا مذکورہ صورت میں امیر عمر رضی اللہ عنہ گواہ بنے یا اپنی بر[illegible]ت پیش کی۔

برعکس نام زنگی رامی نہند کافور۔

رابعاً: بقول مقرر صاحب عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کی آیت پیش کی یہ گواہی قرآن کی طرف سے ہوگی یا عمر کی طرف سے؟ بلکہ انہوں نے تو بقول تمہارے قرآن کی آیت پیش کر کے اپنی جان چھڑائی۔ الغرض اس اعتبار سے بھی یہ گواہ نہیں بنیں گے جب بنیاد ہی جھوٹی روایت پر رکھی گئی ہے تو پھر اس پر ایسی ہی عمارت قائم ہوگی۔

خشت اول چون نهد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

قال: تیسرا گواہ "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" (ایک دوسرے پر رحم کرنے والے)(ص 58)

اقول: خود مقرر صاحب ترجمہ کر رہے ہیں کہ ایک دوسرے پر رحم کرنے والے تو پھر

صیغہ جمع کو فرد واحد کے لئے خاص کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

قال: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں نے بغاوت کر دی ایک خاص جرم آپ کی طرف منسوب کیا گیا اور آپ سے خلافت سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا گیا (ص 58)

اقول: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اس دعوی سے کیا تعلق؟ اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ قتل نہ ہوتے تو کیا یہ دعوی ثابت نہ ہوتا؟ اور جن باغیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کا گھراؤ کیا تھا کیا وہ اس دعوی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے قائل نہ تھے؟ جبکہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ:

عن عبیداللہ بن عدی بن خیار انہ دخل علی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وھو محصور فقال انک امام عامۃ و نزل بک ماتری و یصلی لنا امام فتنۃ و نتحرج فقال الصلاۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معھم و اذا ساؤا فاجتنب اسائتھم.

(البخاری باب امامۃ المفتون المبتدع کتاب الصلاۃ)

سیدنا عبداللہ بن عدی بن خیار کہتے ہیں کہ جس وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ باغیوں کے حصار میں تھے تو میں ان کے پاس آیا اور عرض کی کہ آپ تو تمام مسلمانوں کے امام ہیں، اور جس مصیبت میں آپ رضی اللہ عنہ مبتلا ہیں اس سے بخوبی آگاہ ہیں اب فتنہ پرداز لوگوں میں سے ایک ہمیں نماز پڑھاتا ہے اور ہمیں ڈر ہے کہ کہیں اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے ہم گناہ گار نہ ہو جائیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگ جو کام سر انجام دے رہے ہیں ان میں نماز سب سے بہترین عمل ہے لہذا جب وہ اچھا کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ مل کر اچھا کام کرو اور جب وہ برائی کا ارتکاب کریں تو تم ان سے الگ ہو جاؤ۔

اب مقرر صاحب بتلائیں کہ امیر عثمان رضی اللہ عنہ تو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو کہہ رہے ہیں جس کا معنی یہ کہ انہیں کافر نہیں سمجھتے تھے اس واقعہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی استقامت، ضبط خلافت اور اپنی صفائی کے لئے شہادت نبوی پیش کر رہے ہیں جبکہ مقرر صاحب اس واقعے کو نبوت کے لئے گواہ بنا رہے ہیں علاوہ ازیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو استدلالاً پیش کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ گواہ نہیں ہیں بلکہ اپنے لئے گواہی طلب کر رہے ہیں الغرض مقرر صاحب کا بنایا ہوا یہ گواہ بھی قائم نہ رہا۔

قال: چوتھا گواہ "تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا" حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عبادتیں ریاضتیں اور محنتیں مشہور ہیں (ص 59)

اقول: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عبادتیں، ریاضتیں اور محنتیں مشہور رہیں قرآن کریم تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے کہہ رہا ہے "تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا" صیغہ جمع ہے اور یہ کونسی معرفت ہے کہ امتی کی عبادت سے رسالت کی صداقت ہو رہی ہے ؟۔ بلکہ ہر امتی کی ہمہ اقسام کی عبادت کے لئے تائید نبوی اور ثبوت الہی کا ہونا لازمی امر ہے ورنہ بصورت دیگر وہ عبادت "احداث فی الدین" ہونے کی وجہ سے بدعت کہلائے گی کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ کی اپنی عبادت رسالت کے لئے گواہی نہیں بن سکتی تو پھر دوسروں کی عبادت کیا حیثیت رکھتی ہے؟ ایسا عقیدہ کسی مسلمان کا نہیں ہو سکتا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نماز کہاں سے سیکھی؟ جواب یہی ملے گا کہ رسول اللہ ﷺ سے بنا بریں رسول اللہ ﷺ کا عمل علی رضی اللہ عنہ کے عمل کی تصحیح اور قابل اعتبار ہونے کے لئے گواہ بنانہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا عمل آپ ﷺ کیلئے گواہ ہے لہذا یہ بھی قائم نہ رہا۔

قارئین: انصاف کریں کہ مقرر صاحب نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے ہجرت کا

واقعہ پیش کیا جو نبوت آنے کے کم از کم دس گیارہ سال بعد وقوع پذیر ہوا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قتل والا معاملہ واقعہ ہجرت کے بعد رونما ہوا۔ اور سیدنا عثمان رضی اللہ کا قصہ تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے کئی سال بعد پیش آیا۔ کیا اس وقت تک یہ دعوی ”محمد رسول اللہ“ ثابت نہیں ہوا تھا؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس سے پہلے جتنے بھی آئے نعوذ باللہ وہ اندھے مقلد تھے کہ انہیں کوئی ثبوت نظر نہیں آیا پھر بھی اسے قبول کیا؟ پتہ نہیں مقرر صاحب پر اس وقت معرفت اور باطنی علم کا کونسا نشہ سوا تھا کہ کیا کچھ کہہ گئے؟ پتہ نہیں کہ انہیں خود بھی معلوم ہے کہ کیا کہہ رہا ہوں؟

ان کنت لا تدری فتلک مصیبة
و ان کنت تدری فالمصیبة أعظم

حالانکہ حقیقت حال اسکے بالکل برعکس ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

و کذالک جعلنکم امة وسطا لتکونوا شهدآء علی الناس و یکون الرسول علیکم شهیدا. (البقرة: 143)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (علیہ السلام) تم پر گواہ بنیں۔

مذکورہ آیت کے اولین مخاطب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں یہ دنیا کے لئے گواہ ہیں اور ان کی سیرت دوسروں کے لئے نمونہ ہے مگر ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے پھر رسول اللہ ﷺ نمونہ اور گواہ ہیں مقرر صاحب کو آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیئے۔

قال: اگر یہودی یہ کہیں کہ ہمیں اس بات سے کیا واسطہ؟ (ص 59)

اقول: تورات، انجیل اور قرآن کریم میں اس طرح نہیں کہا گیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم محمد ﷺ کے لئے گواہ ہیں بلکہ مقصود ان کی توصیف ہے مجموعی اعتبار سے ان کی تین عظیم

خوبیاں بتلائی گئی ہیں:

1 -ایک دوسرے پر رحم کرنے والے

2 -اللہ کے دشمنوں پر سختی کرنے والے

3 -رکوع اور سجدہ کرنے والے

نیز یہ بھی بتلایا گیا کہ یہ خوبیاں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے ہیں نہ کہ کسی ایک کے لئے خاص ہیں اللہ تعالی کی طرف سے ان کے لئے یہ شہادت تھی کہ:

یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا۔ (الفتح: 29)

کہ صحابہ کا کام نیکی کا حصول اور رضاء الٰہی کی تلاش ہے۔

اور یہی گواہی تورات اور انجیل میں بھی مذکور ہے۔

مقرر صاحب نے جس جھوٹی روایت کا سہارا لیا ہے اس میں اس طرح نہیں کہ چار گواہ ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ ایک دعوی ہے گویا مولوی صاحب نے ایک موضوع روایت میں اپنی طرف سے مزید اضافہ کیا ہے۔

قال: رب تعالی کے پاس رحمان کی مکمل تجلی ہے اور اسی تجلی کے فیض میں فرمایا ہے:

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین۔ (الانبیاء 107)

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اقول: یہاں بھی وہی صوفیانہ مراد لی گئی ہے علاوہ ازیں اس عبارت سے پہلے لکھتے ہیں:

"ساروں کو اسی رحمت نے پریشان کردیا۔ یہ اس کا اثر اور کرنٹ ہے" (ص 40)

یہ تو وہی اللہ تعالی کو اجزاء میں تقسیم کرنے والا عقیدہ ہے نعوذ باللہ۔ رسول اللہ ﷺ کو جو رحمت اور شفقت ودیعت کی گئی ہے وہ اسی رحمت کے سو درجات میں سے ایک درجہ ہے جو اللہ نے اہل زمین کو عطا کیا ہے اور حدیث مبارک کا یہی مطلب

مقرر صاحب نے بھی ذکر کیا ہے۔

قال: نبی کی سیرت حاصل کرنے کے لئے یہ جلسہ منعقد کیا گیا ہے۔

اقول: پہلے کہا کہ یہ میلاد النبی کا جلسہ ہے جہاں ہم نے ثابت کیا کہ ایسی مجلسیں اسلامی نہیں ہیں اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی نے ایسا کیا تو پھر ایسے مجالس سے نبوی علم حاصل ہوگا یا فرعونی؟

قال: ابھی پنجاب میں غلام احمد قادیانی نے دعوی نبوت کیا۔(ص 63)

اقول: اس نے تو ظلی نبوت کا دعوی خبیثہ کیا مگر مقرر صاحب بھی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبوت کا عکس کہہ کر نبوت نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے بعد اجرائے نبوت کے قائل ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ قادیانیوں کے نبی کو جھوٹا کہہ رہے ہیں معلوم نہیں کس کے دعوے کو جھوٹا کہہ رہے ہیں مرزا کے دعوے کو یا اپنے عکس والے عقیدے کو؟

قال: بہر حال آپ نے فرمایا: سیاتی من بعدی ثلٰثون کذابون دجالون کلھم یدعی النبوۃ الا انہ لا نبی بعدی (ص63)

اقول: مذکورہ الفاظ کے ساتھ کوئی بھی حدیث مروی نہیں ہے مقرر صاحب کے بیان اکثر ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جن میں قرآن یا حدیث کے الفاظ نقل کرتے ہوئے ذرا بھی خیال نہیں رکھتے مولانا صاحب کو چاہیئے کہ کتب احادیث خصوصا مشکوۃ باب الفتن اور تفسیر الدر المنثور ص 204 ج5 کا مطالعہ کریں مشکوۃ میں وارد حدیث میں دجالون کے لفظ نہیں ہیں اور در منثور میں بحوالہ مسند احمد ایک حدیث موجود ہے جو بایں الفاظ ہے:

کذابون دجالون سبعة و عشرون.

لیکن جو الفاظ مقرر صاحب نے بیان کئے ہیں بعینہ انہی الفاظ سے کوئی بھی حدیث موجود نہیں ہے۔

قال: ایک دیہاتی حضور انور ﷺ کے پاس ایک گوہ لے کر آیا..........(الی قولہ) جانوروں نے بھی یہ گواہی دی (ا) (ص 64-63)

مشہور ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک گوہ لایا اور کہنے لگا کہ اگر یہ گوہ کلمہ پڑھے تو میں مسلمان ہونے کے لئے تیار ہوں۔ رسول اللہ ﷺ گوہ سے مخاطب ہوئے تو اس نے کلمہ پڑھ کر آپ ﷺ کے سچے نبی ہونے کی تصدیق کردی اس پر وہ دیہاتی بھی مسلمان ہوگیا۔

اقول: یہ واقعہ سب جھوٹا اور موضوع ہے حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ ص 150-149 ج 6 میں یہ واقعہ بحوالہ بیہقی ذکر کیا ہے مگر اس کی سند میں محمد بن علی بن الولید السلمی راوی ہے جسے امام عقیلی منکر الحدیث کہتے ہیں نیز حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مذکورہ واقعہ کو بیہقی سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال البیھقی روی ذلک عن عائشۃ و ابی ھریرۃ وما ذکرناہ ھو امثل الاسانید فیہ وھو ایضا ضعیف والحمل فیہ علی ھذا السلمی۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے اس طرح کا واقعہ مروی ہے لیکن تمام اسانید ایک جیسی ہونے کی وجہ سے ضعیف ہیں کیونکہ ان اسانید کا دارومدار علی السلمی پر ہے۔ امام ذہبی میزان الاعتدال میں امام بیہقی کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت صدق واللہ البیھقی فانہ خبر باطل (میزان الاعتدال ص 105 ج 3)

میں کہتا ہوں کہ اللہ کی قسم بیہقی نے سچ کہا ہے کیونکہ یہ واقعہ جھوٹا ہے۔

جھوٹے قصے بیان کر کے مخلوق کی کونسی رہنمائی کی جارہی ہے؟ مگر کیا کریں کہ اہل معرفت کی دنیا ہی نرالی ہے۔

این کتاب از آسمان دیگر است

ہمیشہ سچے واقعے ہی بیان کرنے چاہئیں مثلاً رسول اللہ ﷺ کا پتھر سے مخاطب ہوا اور پتھر کا آپ کو سلام کرنا۔ کھجور کے تنے کا رونا وغیرہ۔ یہ واقعات انسانی رہنمائی کیلئے کافی ہیں۔

قال: یہ قرآن کتاب حکمت ہے جو اس کے مطابق چلے گا وہ سیدھے راستے پر گامزن ہوگا اور اس راستے میں آرام ہے، رحمت ہے، ان لوگوں نے اللہ کو حاضر و ناظر مانا (ص 64)

اقول: ''اللہ تعالی کو حاضر و ناظر مانا'' یہ جملہ کس قرآنی آیت کا ترجمہ ہے؟ حاضر تو اللہ کے اسماء میں سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ صفت قرآن یا حدیث میں بیان ہوئی ہے بلکہ قرآنی فرمان کے مطابق یہ غلط ہے کیونکہ اللہ تعالی نے اپنی صفت یوں بیان کی ہے:

الرحمن علی العرش استوی (طٰه: 5)

ثم استوی علی العرش

(الاعراف: 54 یونس: 4 الرعد: 2 الفرقان: 59 الم السجدہ: 11 الحدید: 4)

اور الحاضر کے معنی ہیں ''یہاں موجود'' اور یہ معنی متعدد قرآنی آیات میں استعمال ہوا ہے ملاحظہ ہو۔

ووجدوا ما عملوا حاضرا (الکھف: 49)

اور جو عمل کئے ہوں گے سب کو حاضر پائیں گے۔

فلما حضروہ قالوا انصتوا۔ (الاحقاف: 29)

تو جب وہ (پیغمبر علیہ السلام) کے پاس آئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش ہو جاؤ۔

فوربک لنحشرنھم والشیطین ثم لنحضرنھم حول جھنم جثیا۔ (مریم: 68)

تمہارے پروردگار کی قسم ہم ان کو جمع کریں گے اور شیطانوں کو بھی پھر ان سب کو جہنم کے گرد حاضر کریں گے اور وہ گھٹنوں کے بل گر رہے ہوں گے۔

واحضرت الانفس الشح.(النساء: 28)

اور بخل ہر نفس میں موجود ہے۔

و ان کل لما جمیع لدینا محضرون .(یس: 32)

اور سب کے سب ہمارے روبرو حاضر کیے جائیں گے۔

وهم لهم جند محضرون .(یس: 75)

اور وہ ان کی فوج ہو کر حاضر کیے جائیں گے۔

تو ان قرآنی نصوص کے مطابق حاضر کا معنی ہوا (یہاں ہمارے پاس موجود)

ایسا عقیدہ اہل سنت کا نہیں ہے بلکہ صوفیوں کا ہے جیسا کہ کتاب کے شروع میں سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا تھا۔

سید اتباع التابعین امام عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا:

کیف نعرف ربنا؟قال بانه فوق السماء السابعة علی العرش بائن من خلقه.

ہم اپنے رب کو کیسے پہچانیں؟ فرمایا (اس طرح پہچانو کہ) وہ ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے اور مخلوق سے الگ ہے۔

امام عثمان بن عبد اللہ الدارمی رحمہ اللہ نے مذکور قول کتاب الرد علی الجہمیہ ص 23 پر اس سند سے ذکر کیا:

قال حدثنا الحسن بن الصالح البزار ثنا علی بن الحسن بن شفیق عن المبارک .الخ.

اللہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ عرش پر ہے ایمان کا جز بلکہ مومن ہونے کیلئے شرط ہے:

مشکوۃ باب اول فی کون الرقبۃ فی الکفارۃ مؤمنۃ کتاب النکاح میں حدیث ہے:

عن معاویۃ بن الحکم السلمی قال اتیت رسول اللہ ﷺ فقلت یارسول اللہ ﷺان جاریۃ کانت لی ترعی غنما لی فجئتہا و قد فقدت شاۃ من الغنم فسالتہا عنہا فقالت اکلہا الذئب فاسفت و کنت من بنی آدم فلطمت وجہہا و علی رقبۃ افاعتقہا فقال لہا رسول اللہ این اللہ؟فقالت فی السماء فقال من انا؟فقالت انت رسول اللہ! فقال اعتقہارواہ مالک و فی راویۃ مسلم فذکر الحدیث و فیہ قال اعتقہا فانہا مؤمنۃ (باب ما یجوز من العتق فی الرقاب الواجبۃ مؤطا امام مالک)

سیدنا معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا اللہ کے رسول ﷺ میری لونڈی میرا ریوڑ چراتی تھی جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے ریوڑ میں سے ایک بکری گم پائی تو میں نے اسکے منہ پر ایک طمانچہ رسید کر دیا اب مجھ پر غلام آزاد کرنا واجب ہے تو کیا میں اسے آزاد کردوں؟ رسول اللہ ﷺ نے اس لونڈی سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے آزاد کردو یہ تو مومنہ ہے۔

یہ حدیث اس بات کی صراحت کررہی ہے کہ جو استواء علی العرش کا اقرار نہیں کرے گا وہ مومن نہیں ہے نیز امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کتاب التوحید ص 80 میں یہ حدیث لانے سے پہلے جو باب قائم کرتے ہیں وہاں یہ الفاظ ہے:

باب ذكر التوحيد على ان اقرار بان الله عزوجل في السماء من الايمان

اسی طرح امام ابن مندہ الاصبہانی کتاب الایمان میں یہ حدیث اسی باب کے تحت لائے ہیں

۔علاوہ ازیں امام عثمان الدارمی کتاب الرد علی الجہمیہ ص 22 پر یہ حدیث لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

ففي حديث رسول الله ﷺ هذا دليل على ان الرجل اذا لم يعلم ان الله عزوجل في السماء دون الارض فليس بمؤمن ولو كان عبدا فاعتق لم يجز في رقبة مؤمنة اذلا يعلم ان الله في السماء الا ترى ان رسول الله ﷺ جعل امارة ايمانها معرفتها ان الله في السماء و في قول رسول الله ﷺ اين الله؟تكذيب لقول من يقول هو في كل مكان لا يوصف باين لان شيئا لا يخلوا منه مكان يستحيل ان يقال اين هو؟ولا يقال اين الا لمن هو في مكان يخلوا منه مكان ولو كان الامر على مايدعي هولاء الزائغة لا نكر عليها رسول الله ﷺ قولها و علمها ولكنها علمت به فصدقها رسول الله ﷺ وشهد لها بالايمان بذلك ولو كان في الارض كما هو في السماء لم يتم ايمانها حتى تعرفه في الارض كما عرفته في السماء.

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جب تک انسان یہ عقیدہ نہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے زمین پر نہیں اس وقت تک وہ مومن نہیں ہوسکتا اور کسی غلام کو بھی اس وقت تک آزاد کرنا جائز نہیں جب تک وہ یہ اعتقاد نہ رکھے کہ اللہ آسمانوں پر ہے۔کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لونڈی کی اس معرفت کو ایمان قرار دیا کہ جس نے اللہ کے بارے میں کہا تھا کہ وہ آسمانوں میں ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اس قول: 'این اللہ؟' اللہ

کہاں ہے؟) میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ " اللہ ہر جگہ موجود ہے اور اسے " این " سے موصوف نہیں کر سکتے کیونکہ کوئی بھی جگہ اس کے وجود سے خالی نہیں ہے اور یہ کہنا بھی ناممکن ہے کہ وہ کہاں ہے؟ لفظ این صرف اس ذات کیلئے مستعمل ہو سکتا ہے جو کسی جگہ اپنا وجود رکھتی ہو اور کوئی بھی جگہ اس کے وجود سے خالی نہ ہو"۔

اگر معاملہ ایسا ہی ہے جس طرح یہ ژولیدہ خیال لوگ کہہ رہے ہیں تو پھر رسول اللہ ﷺ اس لونڈی کے قول اور اس کی معرفت کی ضرور نفی کرتے مگر اس لونڈی نے اللہ کی معرفت حاصل کی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے اس کے ایمان کی گواہی بھی دی اگر اللہ زمین پر بھی ہوتا جس طرح آسمانوں میں ہے تو اس وقت تک اس کا ایمان کامل نہ ہوتا جب تک کہ وہ اللہ کے زمین پر ہونے کی معرفت حاصل نہ کر لیتی جیسا کہ اس نے اللہ کے آسمانوں میں ہونے کی معرفت حاصل کی۔

یہ ہے مقرر صاحب کی تقریر کہ جس پر یہ مختصر تنقید کی گئی ہے اس کے ساتھ ایک اور تقریر بھی ہے مگر اسمیں بھی یہی باتیں بیان کی گئی ہیں لہذا یہ نقد ساری تقریروں کیلئے کافی ہے۔

جو کچھ ہم نے تحریر کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ قرآن وحدیث میں بیان ہوا ہے رہنمائی کے لئے اس کی معرفت کافی ہے یہی علم اور یہی دین ہے اور اس سے مخلوق کی رہنمائی بھی ہو سکتی ہے باقی صوفیاء کا علم باطنی اور معرفت کا قرآن وحدیث میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے اس سے انسان ہدایت کی شاہراہ پر گامزن ہونے کی بجائے گمراہی کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے

ذرا سوچئے! رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اللہ کی معرفت کس کو حاصل ہو سکتی ہے؟

صحیح بخاری کے کتاب الایمان میں سے ایک باب آپ لوگوں کی رہنمائی کے لئے تحریر کیا جا رہا ہے:

باب قول النبی ﷺ انا اعلمکم باللہ و ان المعرفة فعل القلب لقول اللہ تعالی ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم۔

عن عائشة قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا امرھم امرھم من الاعمال بما یطیقون قالوا انا لسنا کھیئتک یارسول اللہ ان اللہ قد غفرلک ماتقدم من ذنبک وماتاخر فیغضب حتی یعرف الغضب فی وجھہ ثم یقول ان اتقاکم واعلمکم باللہ۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم سب سے زیادہ اللہ تعالی کو جاننے والا میں ہوں اور معرفت دل کے فعل کا نام ہے کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے لیکن ان قسموں پر تمہارا مواخذہ ہوگا جو تم نے (جان بوجھ کر) کھائی ہوں گی۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کو (نیک اعمال کرنے کا) حکم دیتے تو ایسے اعمال کا حکم دیتے جن کو وہ کر سکیں (عبادات شاقہ کی ترغیب بھی ان کو نہ دیتے تھے)۔ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم آپ کی مثل نہیں ہیں، اللہ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے ہیں (لہذا ہمیں آپ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیئے) اس پر آپ ﷺ غضبناک ہو گئے حتی کہ چہرہ مبارک میں غضب کا اثر ظاہر ہونے لگا پھر فرمایا کہ تم سب سے زیادہ اللہ تعالی کو جاننے والا میں ہوں۔

بس یہی معرفت اور علم کی انتہا ہے، اس کے بعد انسانوں کیلئے اور کونسا علم ہوگا؟ اسی میں انسانوں کیلئے شرف بھی ہے اور عظمت بھی۔اور جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اس میں انسان کی عظمت کی بجائے انسان کی تحقیر اور توہین ہے۔اللہ ہمیں صحیح عظمت نصیب فرمائے جو

صرف اور صرف اللہ کی رضا اور عبادت اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور تمہارے یہ صوفیانہ رموز صرف حجروں میں بیٹھ کر بتلانے کے قابل ہیں کہ جہاں سب معتقد اور مرید ہوتے ہیں اور خصوصاً اس وقت جبکہ دہریت اور لادینیت کا دور دورہ ہے ان تخیلات اور سفسطات اور موضوع روایتوں کو ذرا بھی باہر نہ نکالا جائے کیونکہ دشمنان اسلام کو اس سے زیادہ موقعہ ملے گا لہذا اللہ کی مخلوق کو قرآن سنائیں اور صحیح احادیث بتلائیں۔ یہی رہنمائی کیلئے کافی ہیں اور انہی میں انسان کی عظمت ہے۔

وما علينا الا البلاغ المبين

و انا العبد

ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی (رحمہ اللہ)